اظہار
IZHAAR
Bi-Lingual دولسانی

Vol:4 Edition:4 Jan-Jun 2015 Pages:8 Dept. of M ass Comm. & Journalism, MANUU

جلد:4 شمارہ:4 جنوری - جون 2015 صفحات: 8 شعبہ ترسیل عامہ وصحافت، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کے زیر اہتمام عظیم الشان بین الاقوامی کانفرنس

مسلمان، جمہوریت اور ذرائع ابلاغ: چیلنجس وامکانات کے موضوع پر مباحث اور خطابات۔ قومی وبین قومی شہرت یافتہ صحافیوں اور دانشوروں کی شرکت

نغمہ نگار گلزار کے ہاتھوں گلزار گرلز ہاسٹل کا افتتاح

حیدرآباد۔ 23/فروری۔ (اظہار بیورو) مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کیمپس میں گذشتہ سال ماہ نومبر کے دوران گرلز ہاسٹل کی عمارت کے توسیع شدہ حصہ کی تعمیر مکمل ہوئی جس کا افتتاح مشہور نغمہ نگار گلزار نے انجام دیا۔ اس ہاسٹل میں 150 سے زیادہ طالبات کے رہنے کا انتظام ہے۔ نئے ہاسٹل میں ایک بڑے ہال کے علاوہ طعام گاہ اور مطبخ (باورچی خانہ) بھی ہے جسے پرانے گرلز ہاسٹل سے جوڑ دیا گیا ہے۔ اس کا ڈائننگ ہال اتنا وسیع ہے کہ اس میں ایک ساتھ 500 طالبات کھانا کھاسکتی ہیں۔ ذرائع کے بموجب طالبات کی تعداد میں اضافہ کی صورت میں ہاسٹل کی عمارت میں مزید توسیع کرتے ہوئے اوپر مزید چار منزل بنائے جاسکتے ہیں۔ اس طرح اس میں لگ بھگ 700 طالبات کے قیام و طعام کی گنجائش پیدا ہوجائے گی۔ یہ ہاسٹل جمخانہ اور اسٹیڈی روم (مطالعہ گاہ) سے بھی لیس ہے۔

حیدرآباد۔ 17 مارچ۔ (اظہار بیورو) مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کی جانب سے ایک عظیم الشان دوروزہ بین الاقوامی کانفرنس کا اہتمام کیا گیا ہے جو ''مسلمان، جمہوریت اور صحافت: چیلنجس اور امکانات'' کے موضوع پر منعقد کی گئی۔ اس کانفرنس میں نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرون ممالک کے نامور اور شہرت یافتہ صحافی، دنیا بھر کے مسلمانوں بالخصوص ہندوستان کی اقلیتوں کو درپیش مختلف مسائل پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ ہندوستان جیسے جمہوری ڈھانچہ میں صحافت کو چوتھا ستون قرار دیا گیا ہے اور جمہوریت کے ساتھ ساتھ صحافت کی موجودگی کے باوجود اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کو ہندوستان میں جن مسائل اور پریشانیوں کا سامنا ہے، ان پر کانفرنس میں تفصیلی روشنی ڈالی جارہی ہے۔ جمہوریت اور صحافت کے پس منظر میں مسلم برادری کو جن چیلنجوں کا سامنا ہے ان کی یکسوئی کے لئے امکانات ڈھونڈے جارہے ہیں۔ پڑوسی ملک پاکستان سے بھی کئی نامور صحافی کانفرنس میں شرکت کررہے ہیں جن میں نجم سیٹھی، مہمل سرفراز اور عارف نظامی قابل ذکر ہیں۔ ہندوستان کے مشہور ومعروف صحافیوں میں دی ہندو کے سابق ایڈیٹر ان چیف این رام کا نام سب سے اوپر ہے۔ ان کے علاوہ راج دیپ سردیسائی، سیما مصطفیٰ، راجیش رائنا، شاہد صدیقی، ستیش جیکب، ونود شرما، جاوید نقی، کنگ شک ناگ، کمار کیڈکر، معصوم مرادآبادی، سید فیصل علی، ظفر آغا اور وید پرتاپ ویدک کے علاوہ دیگر بھی شریک ہیں۔ صحافیوں وکالم نگاروں کے ساتھ ساتھ فلم رائٹر انجم رجب علی، سابق صدر نشین دہلی وقف بورڈ کمال فاروقی، سابق رکن راجیہ سبھا شیشادری چاری، شعبہ ترسیل عامہ وصحافت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر شافع قدوائی اور بہت سارے دانشور کانفرنس کا حصہ ہیں جو ہندوستان میں مسلمانوں کو درپیش مختلف مسائل پر مختلف عناوین کے تحت بحث ومباحثے اور ان مسائل کی یکسوئی کے لئے راہیں تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔ شہر حیدرآباد سے بھی سینئر صحافی نسیم عارفی اور رہنمائے دکن کے چیف ایڈیٹر سید وقارالدین بھی کانفرنس میں شامل ہیں۔ مختلف ذیلی عناوین جیسے اقلیتیں، مسلمان اور میڈیا، مسلمان اور سنیما، مسلمان اور ٹیلی ویژن، مسلمان اور اردو ٹی وی چینلس، علاقائی میڈیا کو درپیش چیلنجس، اردو میڈیا اور سیکولرازم، مسلمان اور بین الاقوامی میڈیا، میڈیا میں سیاست اور سیاست میں میڈیا، مسلمان، فرقہ واریت اور ہندوستانی صحافت، مسلمان اردو میڈیا اور مسلم سیاست اور مسلمان، سیکولر جمہوریت اور میڈیا پر بھی صحافیوں و دانشوروں میں سلسلہ وار مباحث، کانفرنس کا حصہ ہیں۔ کانفرنس کے انعقاد کا مقصد بالعموم میڈیا میں مسلمانوں کی تصویر کشی پر ایک رائے حاصل کرنا ہے۔ صرف نیوز چینلس نہیں بلکہ سنیما، تفریحی ٹیلی ویژن اور میڈیا کے دیگر ذرائع جیسے انٹرنٹ وغیرہ پر مسلمانوں کو جس انداز میں پیش کیا جاتا ہے اس پر بحث کے لئے کانفرنس منعقد کی گئی ہے۔ کانفرنس کے دوران کئی مقالے جات بھی پیش کیے گئے۔ شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کے ڈین اور صدر پروفیسر احتشام احمد خان اس کانفرنس کے کنوینر ہیں اور ان ہی کی شب وروز مسلسل وانتھک محنت کے نتیجہ میں کانفرنس کا کامیابی کے ساتھ انعقاد عمل میں لایا جاسکا ہے۔ پروفیسر احتشام احمد خان واقعی مبارکباد کے مستحق ہیں جنہوں نے تن تنہا اس قدر مشکل کام کو کامیابی سے ہمکنار کرایا۔ شعبہ کے دیگر اساتذہ جیسے ڈاکٹر محمد فریاد، عباس حسین رضوی، معراج مبارکی اور غیر تدریسی عملہ کے ساتھ ساتھ طلبا بھی کانفرنس کی کامیابی کے لئے سرگرم رہے۔ واضح ہو کہ کانفرنس کی تیاریوں کا دو ماہ قبل ہی آغاز کردیا گیا تھا۔ خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ آپ یہ خبر جس لیب جرنل ''اظہار'' میں پڑھ رہے ہیں وہ اسی کانفرنس میں جاری کیا گیا ہے۔ بین الاقوامی کانفرنس کے موقع پر اس کی اجرائی شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کے طلبا کیلئے حوصلہ افزائی کا باعث ہے کیونکہ اس سے طلبا کا نہ صرف حوصلہ بڑھے گا بلکہ مستقبل میں صحافت کا میدان اختیار کرنے اور اس میں کچھ کردکھانے کا جذبہ بھی ان میں پیدا ہوگا۔

ظفر سریش والا، اُردو یونیورسٹی کے نئے چانسلر مقرر

طلبہ کیلئے روزگار کے مواقع میں اضافہ کا عزم۔ مانو میں اولین خطاب

چانسلر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی جناب ظفر سریش والا کی جامعہ کو پہلی مرتبہ آمد پر پروفیسر سلمٰی احمد فاروقی خیر مقدم کرتے ہوئے۔

حیدرآباد، 2/جنوری (اظہار بیورو) ممتاز صنعتکار جناب ظفر سریش والا کو مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی کا چانسلر مقرر کیا گیا ہے۔ مرکزی وزارت فروغ انسانی وسائل سے موصولہ اعلامیہ کے بموجب یونیورسٹی کے وزیٹر صدر جمہوریہ ہند نے یہ تقرر کیا ہے۔ جناب ظفر سریش والا، پرسولی کارپوریشن لمیٹڈ کے چیف ایگزیکیٹو آفیسر اور مینجنگ ڈائرکٹر ہیں۔ ان کی میعاد 3 سال کی ہوگی۔ وہ اُردو یونیورسٹی کے چوتھے چانسلر ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر سیدہ سیدین حمید رکن منصوبہ بندی کمیشن کی جگہ لی ہے۔ اسی دوران یونیورسٹی کو پہلی مرتبہ آمد کے موقع پر جناب ظفر سریش والا نے کہا کہ کسی بھی قوم کا وجود اس کی زبان سے ہے۔ زبان اگر فراموش کردی گئی تو قوم کی پہچان ختم ہوجائے گی۔ تعلیم کے بغیر کسی بھی قوم کی ترقی ممکن نہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے چانسلر کی حیثیت سے تقرر کو میں نے ایک بھاری ذمہ داری اور خدمت کے موقع کے طور پر قبول کیا ہے۔ یونیورسٹی کو ایک بین الاقوامی معیار کی دانش گاہ بنانے میں ہر ممکن کوشش کروں گا۔ جناب ظفر سریش والا نے اردو یونیورسٹی کے اساتذہ اور عہدیداروں کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات میں ان خیالات کا اظہار کیا۔ چانسلر کی حیثیت سے تقرر کے بعد وہ آج پہلی مرتبہ یونیورسٹی کیمپس کے دورے پر پہنچے، جہاں پروفیسر محمد میاں وائس چانسلر نے ان کا گرمجوشانہ خیر مقدم کیا۔ اس موقع پر جناب ظفر سریش والا نے ہارون خان شیروانی مرکز برائے مطالعاتِ دکن کی نئی عمارت کا بھی افتتاح انجام دیا۔

ترانہ، پرچم کی طرح کسی بھی ملک یا ادارے کی پہچان ہوتا ہے: گلزار

اردو یونیورسٹی ترانہ کی تقریب اجرا میں فلمی شخصیتوں گلزار، وشال بھردواج اور سکھویندر سنگھ کی شرکت۔ اُردو سے محبت اور زبان کی جاذبیت کا تذکرہ

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ترانہ کی رسم اجراء کے موقع پر مشہور نغمہ نگار گلزار، وائس چانسلر پروفیسر محمد میاں، پرووائس چانسلر ڈاکٹر خواجہ محمد شاہد، فلمساز وشال بھردواج، گلوکار سکھویندر سنگھ اور دوسرے دیکھے جاسکتے ہیں۔

حیدرآباد، 7/نومبر (اظہار بیورو) مشہور فلمی نغمہ نگار گلزار کا تحریر کردہ، وشال بھردواج کی دھن اور ریکھا بھردواج اور سکھویندر سنگھ کی دل خوش کن آواز سے مزین مولانا آزاد نیشنل اردو یونیوسٹی کے ترانہ کا آج اجرا عمل میں آیا۔ ہندوستان کی تاریخ میں شاید ایسا پہلی بار ہوا ہے جب فلمی دنیا کی مشہور شخصیتوں نے کسی یونیورسٹی کے ترانہ کی تخلیق کی ہو اور اپنی گہری دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہو۔ اس تقریب اجرا میں ترانہ کے تخلیق کار گلزار صاحب، وشال بھردواج اور سکھویندر سنگھ نے شرکت کی جس کی صدارت شیخ الجامعہ پروفیسر محمد میاں نے کی۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ترانہ کی رسم اجرا کے موقع پر گلزار نے اپنے خطاب میں کہا کہ ترانہ، پرچم کی طرح ہوتا ہے جو کسی ملک یا کسی ادارے کی پہچان بن جاتا ہے۔ اردو یونیورسٹی کا یہ ترانہ بھی اس کا پرچم بن گیا ہے، جس کی گونج ہمیشہ برقرار رہے گی۔ جس طرح ترنگے کو دیکھ کر ہر ہندوستانی کا دل دھڑک اٹھتا ہے اسی طرح دنیا کے کسی بھی کونے میں موجود یہاں کے فارغین جب اسے سنیں گے تو وہ تڑپ اٹھیں گے کیوں کہ یہ ان کی شناخت بن گیا ہے۔ طلباء کے مستقبل کی رہنمائی کرتے ہوئے انہوں نے مزید کہا کہ کوئی پیدائشی طور پر کچھ نہیں ہوتا۔ اس دنیا میں علم کی جو روشنی پھیلی ہوئی ہے، اس سے جو جتنی روشنی جذب کرلیتا ہے، وہ اتنا زیادہ روشن ہوجاتا ہے۔ انہوں نے اردو یونیورسٹی سے اپنی محبت اور انسیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ انہیں اردو یونیورسٹی اب گھر کی طرح لگنے لگی ہے۔ اس یونیورسٹی کے وائس چانسلر محمد میاں نے مجھے جو محبت دی ہے، میں اسے بھلا نہیں سکتا۔ انہوں نے اس موقع پر شیخ الجامعہ کی خدمت میں اپنا دستخط شدہ یونیورسٹی ترانہ کا طغرا پیش کیا۔ یونیورسٹی ترانہ کو اپنی دھن سے سجانے والے فلم ''حیدر'' کے ڈائرکٹر وشال بھردواج نے اس موقع پر اپنی اردو سے محبت اور اس زبان کی جاذبیت کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ اردو یونیورسٹی سے جڑ کے اور یہاں موجود ہونے پر خود کو خوش قسمت محسوس کررہا ہوں۔ ترانہ کو اپنی آواز کے زیر و بم سے دلکش بنانے والے ممتاز گلوکار سکھویندر سنگھ نے کہا کہ میں اردو یونیورسٹی کے کلاسیکل، روحانی، اور ادبی ماحول سے بہت متاثر ہوا۔ انہوں نے مزید کہا کہ یونیورسٹی ترانہ کو اپنی آواز دے کر ایسا لگ رہا ہے جیسے میں اردو کی خدمت کررہا ہوں۔ انہوں نے اس خاص موقع پر اپنی مدہوش کن آواز میں یونیورسٹی ترانہ پیش کرتے ہوئے سامعین کو مسحور کردیا۔ وائس چانسلر محمد میاں نے اپنے صدارتی کلمات میں یونیورسٹی ترانے کے اجرا پر مسرت کا اظہار کیا۔ انہوں نے گلزار صاحب کی ادبی اور فلمی خدمات کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہ ادب اور صحافت کے طلباء کو چاہیے کہ وہ گلزار صاحب کی کہانیوں، افسانوں اور ان کی فلموں اور سیریلس پر تحقیقی کام کریں۔ اس سے ادب اور صحافت کے میدان میں نئے دریچے کھلیں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ سماجی اور تہذیبی اشتراک کے لیے ادب اور فلم اہم ذریعہ ہیں۔ ریکھا بھردواج اپنی ذاتی مصروفیت کی وجہ پروگرام میں شریک نہیں ہوسکیں لیکن انہوں نے طلبا اور یونیورسٹی کے لیے اپنی نیک خواہشات کا پیغام بھیجا۔ رجسٹرار جامعہ پروفیسر ایس ایم رحمت اللہ نے تفصیلی اور منظوم انداز میں مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ گلزار صاحب کی خدمت میں انہوں نے اپنا شعر ''خوش نصیبی کہ گلزار یہاں آئے ہیں۔۔۔ اپنا ہم سب کے لیے پیار یہاں لائے ہیں'' پیش کیا۔ پروگرام کی ابتدا حسب روایت قرات کلام پاک سے ہوئی۔ ریسرچ اسکالر محمد اعظم نے تلاوت کلام پاک پیش کی جبکہ پروگرام کی نظامت یونیورسٹی نائب افسر تعلقات عامہ عابد عبدالواسع نے کی۔ اس موقع پر اساتذہ، طلباء اور مہمانوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ ای ٹی وی اردو اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے انسٹرکشنل میڈیا سینٹر نے پروگرام کا راست ٹیلی کاسٹ کیا۔

اظہار
IZHAAR
Bi-Lingual ذولسانی

چوتھا شمارہ: جنوری۔ جون 2015، شعبہ ترسیل عامہ وصحافت، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد۔

صبح ہوئی شام ہوئی، دن گیا رات آئی۔ ہفتے گذرے، مہینے گذرے، سال 2014 ختم ہوا اور اب تقریباً ایک سال بعد 2015 میں اظہار کے نئے شمارے کے ساتھ آپ سے ملاقات ہورہی ہے۔ اس ایک سال کے عرصے میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی بشمول شعبہ ترسیل عامہ وصحافت نے کئی منازل طے کئے اور کئی نئے سنگ میل بھی قائم کئے۔

گذشتہ برس مشہور صحافی، قلم کار، فلم نگار اور ہدایت کار خواجہ احمد عباس اور ان کی مثالی خدمات کو یادگار بناتے ہوئے ان کے صدسالہ یوم پیدائش پر 26 اور 27 مارچ 2014 کو مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبہ ترسیل عامہ وصحافت (Dept. of Mass Communication and Journalism) ، اور خواجہ احمد عباس صدسالہ تقاریب کمیٹی نے مشترکہ طور پر دوروزہ پروگرام کا کامیاب انعقاد عمل میں لایا جس میں عزت مآب عزیز قریشی گورنر اترا کھنڈ بطور مہمان خصوصی شریک ہوئے اور سابق چانسلر سیدہ سیدین حمید نے جلسہ کی صدارت کے فرائض انجام دیئے اور اپنے توسیعی خطبے میں خواجہ احمد عباس کی زندگی کے مختلف گوشوں اور کارہائے نمایاں پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ اس خاص موقع پر اظہار کے پچھلے شمارہ کا رسم اجرا عزت مآب عزیز قریشی گورنر اترا کھنڈ (اب میزورم) کے ہاتھوں عمل میں آیا۔

اس کے ساتھ ہی گذشتہ تعلیمی سال سے شعبہ میں ماس کمیونی کیشن اینڈ جرنلزم میں ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) پروگرام کا بھی آغاز ہوا جس کے بعد یہ امید بندھ چلی ہے کہ اردو صحافت اور اس کے مسائل وامکانات اور ماس کمیونی کیشن اینڈ جرنلزم سے جڑے دوسرے موضوعات پر اردو زبان میں تحقیقات سامنے آئیں گی۔ گذشتہ برس پاس آؤٹ ہونے والے چار طالب علموں کا انتخاب ای ٹی وی اردو میں ہوا ہے اور وہ طلباء وہاں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ شعبہ میں بچوں کو عملی صحافت اور اس کے ماحول سے مانوس کرانے کے لیے جس میں صحافتی میدان سے عملی طور پر منسلک معزز شخصیات شامل ہیں، کے کئی گیسٹ لکچرز منعقد ہوئے۔ اس کے ساتھ مشہور فلم اسکرپٹ رائٹر انجم رجب علی اور ہدایت کار وشال بھردواج اور اداکار نام الٹر سے شعبہ کے طلباء کا خاص انٹرکشن پروگرام رہا۔

یونیورسٹی نے شیخ الجامعہ پروفیسر محمد میاں کی قیادت میں جو اہم کارنامے انجام دیئے ہیں اس میں ایک اہم کارنامہ یونیورسٹی کے ترانہ کی تخلیق اور اس کی اجرائی ہے۔ مشہور فلمی نغمہ نگار گلزار کا تحریر کردہ، وشال بھردواج کی دھن اور ریکھا بھردواج اور سکھ وِیندر سنگھ کی خوش کن آواز سے مزین مولانا آزاد نیشنل اردو یونیوسٹی کے ترانہ کا رسم اجرا ان فلمی شخصیتوں کی موجودگی میں ہوا۔ ہندوستان کی تاریخ میں شاید ایسا پہلی بار ہوا ہے جب فلم جگت کی مشہور شخصیتوں نے کسی یونیورسٹی کے ترانہ کی تخلیق کی ہو اور اس میں اپنی گہری دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہو۔

شعبہ اپنی کامیابی کی منزل کو اور بھی بلند کرتے ہوئے بلند حوصلے کے ساتھ امسال ماہ رواں میں 16 اور 17 تاریخ کو ''مسلمان، جمہوریت اور میڈیا: چیلینجز اور امکانات'' کے موضوع پر ایک دوروزہ انٹرنیشنل کانفرنس منعقد کرانے جارہا ہے جس میں برصغیر ہندو پاک کے زائد از 30 مشاہیر صحافی جیسے این رام، راج دیپ سردیسائی، ظفر آغا وغیرہ اور پاکستان سے نجم سیٹھی، عارف نظامی، مجمل سرفراز اور امتیاز عالم شرکت کررہے ہیں۔ اس کے علاوہ سینکڑوں ماہرین تعلیم اور ریسرچ اسکالرس شریک ہورہے ہیں جو اس دوروزہ انٹرنیشنل کانفرنس میں مختلف ذیلی موضوعات پر بحث وتبصرہ کرنے کے ساتھ اپنے اپنے مقالے بھی پڑھیں گے۔ یقیناً اس ایک دوروزہ انٹرنیشنل کانفرنس سے ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کو سمجھنے اور ان کے حل کرنے کی تدابیر سامنے آئیں گی۔

صحافت گر صحافی۔ مولانا آزاد

ڈاکٹر محمد فریاد
اسوسی ایٹ پروفیسر۔ شعبہ ترسیل عامہ وصحافت۔ مانو

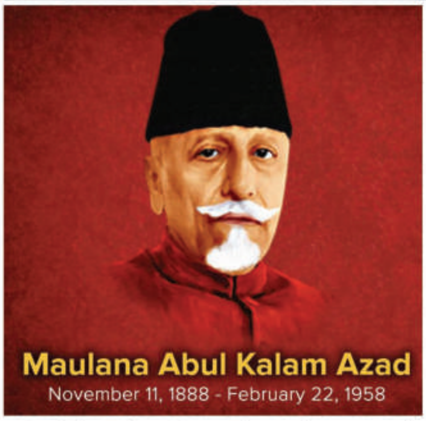

مولانا ابوالکلام آزاد کی صحافت کے تین اہم اصول تھے۔ اخبار کو سماج کا آئینہ دار ہونا چاہئے۔ اصلاح معاشرہ میں فعال ہونا چاہئے اور عوام میں جدید سے جدید تر علوم وفنون کو فروغ دینا چاہئے۔ مولانا نے اس پر عمل کیا۔ الہلال نے اگرچہ زیادہ عمر نہ پائی لیکن صحافت میں اس نے ایک معیار قائم کیا۔ تحریک آزادی میں سرگرم رہنے کی وجہ سے مولانا کو کئی بار جیل جانا پڑا۔ مولانا ابوالکلام آزاد ایک نابغہ روزگار ہستی تھے۔ ان کی عبقریت کا پہلا اظہار صحافت ہی میں ہوا۔ کم عمری میں ہی وہ وقت کے سرکردہ اخباروں کا جائزہ لینے لگے۔ اپنے احباب کی بزم میں لاہور کے مشہور ہفت روزہ ''اخبار عالم'' کے تازہ شمارے کے سرورق کی خبریں اور فیچر (جو اخبار کی بہار کے عنوان سے چھپتا تھا) دکھاتے۔ مختصر اخباروں کے انتخاب اور معیار پر تبصرہ کرتے رہتے جس سے یاران محفل انگلیاں دباتے رہتے۔ اسی کمسنی کے عالم میں مولانا نے ایک غزل کہی اور ممبئی کے ایک شعری رسالے کو اشاعت کے لئے بھیج دیا۔ غزل فوراً شائع ہوگئی۔ اس سے ان کا حوصلہ اس قدر بڑھا کہ 1899 میں جب کہ وہ ابھی لڑکپن میں ہی تھے، ''نیرنگ عالم'' کے نام سے ایک شعری رسالہ نکال دیا۔ اگرچہ یہ پرچہ مالی وجوہات سے زیادہ عمر نہ پاسکا لیکن کمسن آزاد بطور مدیر مشہور ہوگئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد شعر وسخن کے علاوہ مضامین بھی لکھنے لگے تھے۔ ان کے مضامین کو ادبی ماہنامہ ''مخزن'' (لاہور) مسلسل شائع کررہا تھا۔ انہی دنوں انھوں نے ایک مضمون ''فن اخبار نویسی'' لکھا۔ اس وقت ابوالکلام آزاد کی عمر صرف چودہ سال تھی۔ اس مضمون میں انہوں نے صحافت جیسے خشک موضوع کی ابتداء اور ارتقاء پر ایک سیر حاصل تفصیلی بحث پیش کی۔ انہوں نے روس، امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے صحافی احوال پر عمیق روشنی ڈالی۔ بڑے بڑے اہل علم اور عالموں نے بھی اس مضمون پر انہیں داد دی اور مولانا کے لقب سے خطاب کرتے رہے۔ مولانا آزاد نے 1903 میں ایک نثری ماہنامہ ''لسان الصدق'' کے نام سے شائع کیا۔ یہ ماہنامہ تاریخی، اخلاقی، سائنٹفک، سماجی اصلاح وترقی پر مرکوز تھا۔ 1904 میں پنجاب کے مشہور سہ روزہ ''وکیل'' کے لئے اس کے مالک شیخ غلام محمد نے مولانا آزاد سے ادارتی ذمہ داری سنبھالنے کی درخواست کی۔ مولانا نے پیشکش قبول کرلی اور اس کی صورت اور سیرت ہی بدل دی۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے اپنی کتاب ''صحافت، پاکستان، ہند، لاہور'' میں لکھا ہے کہ ''وکیل'' اس وقت تمام اردو اخباروں میں سب سے زیادہ متین، سنجیدہ اور قومی مسائل میں صائب الرائے ونظر اخبار تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہیں مولانا آزاد نے نئی راہ دکھانے والے اپنے ذاتی اخبار کا خواب دیکھا اور محسوس کیا کہ خیالات کی اشاعت اور عام بحث ونظر کے لئے اخبار سے بہتر کوئی اور ذریعہ نہیں۔ اسی دوران مولانا آزاد کے بھائی کا انتقال ہوگیا اور ان کے والد نے انہیں کلکتہ واپس بلالیا۔ کلکتہ آنے پر دارالسلطنت اخبار کے مالک مولوی عبداللطیف نے ادارت کی پیشکش کی۔ مولانا نے منظور تو کرلیا لیکن مولوی صاحب کی بے جا مداخلت سے ناراض ہوکر اخبار سے الگ ہوگئے۔ مولانا کے الگ ہونے سے وہ اخبار بند ہوگیا اور شیخ غلام محمد کے اصرار پر مولانا آزاد نے ''وکیل'' امرتسر کی ادارت دوبارہ منظور کرلی۔ 1911 کے اواخر میں انھوں نے وکیل کی ملازمت چھوڑ دی۔ وکیل سے علیحدگی کے چند برس بعد مولانا ابوالکلام آزاد نے 1912 میں علم وسیاست کے مرکز کلکتہ سے الہلال کے نام سے ایک انقلابی ہفت روزہ جاری کیا۔ گربچن چندن کے مطابق بیسویں صدی کی اردو صحافت کا عہد عروج بنانے والا یہ تاریخی اخبار رہبر اول تھا جس کے پرانے شمارے آج بھی سونے میں تولنے کے لائق ہیں۔ صحافت کا معیار ہو یا صحافی کا کردار ''الہلال'' اور ''آزاد'' آج بھی روشن مینارہ ہیں۔ قطب اللہ 'مولانا آزاد کا نظریہ صحافت' بتاتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: ''مولانا آزاد نے قوم کو صحافت کے بین الاقوامی معیار سے روشناس کرایا، صحافت کو جدید ترین تکنیک کا حامل بنایا اور قارئین کو اس طرح مواد فراہم کیا کہ انھیں پھر کسی اور زبان کے اخبارات یا رسالے پڑھنے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔'' انھوں نے اس کے پہلے شمارہ میں خدائے مطلق سے التجا کرتے ہوئے لکھا ''اگر وہ مجھ میں سچائی اور اخلاص اور خلوص کی کوئے سرگرمی دیکھتا ہے اگر اس کی ملت مرحومہ اور اس کے کلمہ حق کی خدمت کی کوئی سچی تپش میرے دل میں موجود ہے اور اگر واقعی اس کی راہ میں قدریت اور خودفرش (خودفراموشی) کی ایک آگ ہے جس میں برسوں سے بغیر دھوئیں کے جل رہا ہوں تو اپنے فضل و لطف سے مجھے اتنی مہلت عطا فرما کہ میں اپنے بعض مقاصد کے نتائج اپنے سامنے دیکھ سکوں لیکن اگر میرے یہ تمام کام محض ایک تجارتی کاروبار اور ایک دکاندارانہ شغل ہیں جس میں قومی خدمت اور ملت پرستی کے نام سے گرم بازاری کرنا چاہتا ہوں، تو قبل اس کے کہ میں اپنی جگہ پر سنبھل سکوں وہ میری عمر کا خاتمہ کردے اور میرے تمام کاموں کو ایک دن بلکہ ایک لحہ کے لئے بھی کامیابی کی لذت چکھنے نہ دے''۔ مولانا آزاد 3 جون 1914ء کے الہلال میں ''مسلمانان ہند اور دولت عثمانیہ کی جنگی اعانت'' میں لکھتے ہیں کہ ''بہت سے مسلمان ہم سے ناخوش ہیں کہ ہم کیوں ان کی طرح ہندوؤں سے علاحدگی اور مخالفت کی دعوت نہیں دیتے''۔

8 ستمبر 1912ء کے شمارہ میں انہوں نے لکھا تھا کہ ''مسلمانوں کا فرض ہونا چاہئے کہ وہ جائز آزادی کے حصول کے لئے کوشش کریں اور پارلیمنٹری حکومت انھیں جب تک نہ مل جائے اپنے اصول مذہبی کی خاطر چین نہ لیں''۔ مولانا آزاد چاہتے تھے کہ مسلمان آزادی سے صراط مستقیم پر چلیں۔ مولانا آزاد نے الہلال میں مذہبی سیاسیات، جغرافیہ، تاریخ، عمرانیات، سوانح ادب اور حالات حاضرہ پر اوریجنل مضامین اور فیچر چھاپے۔ یہ انتظام انہوں نے ایک ایسے زمانے میں کیا جب بازار میں لسانی صحافت کے لئے آج کی طرح کوئی ادارے یا اطلاعاتی آلات میسر نہیں تھے۔ الہلال نے کبھی کسی کا مذاق نہیں اڑایا نہ کسی کی دل آزاری کی اور نہ ذاتیات کو اپنے قلم کا موضوع بنایا۔ تقسیم ہند کے بعد مولانا آزاد کو وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے وزیر تعلیم بنایا۔ مولانا آزاد نے 1958 میں وفات پائی۔

تصویریں بولتی ہیں۔۔۔۔

وقت بدل چکا ہے۔ وہ دن لد گئے جب لڑکیاں صرف ہانڈی چولہے تک محدود رہا کرتی تھیں۔ یو پی کے ایک گاؤں میں اسکول کی لڑکیاں، سیکل کی ''ڈرائیونگ سیٹ'' پر جبکہ لڑکے پچھلی نشستوں پر سوار دیکھے جاسکتے ہیں۔ (تصویر: عبدالقادر صدیقی)

موسم بہار میں پھولوں کو اپنا حال دل سناتی یہ تتلیاں، شاید غم کے ماروں کو مژدہ جانفزا دے رہی ہوں۔ (تصویر: عبدالقادر صدیقی)

دوست

- اچھا دوست چاہے، جتنا بھی برا بن جائے، اس سے دوستی مت توڑنا، کیوں کہ پانی چاہے جتنا بھی گندا ہوجائے، آگ بجھانے کام آتا ہے۔
- کامیابی حوصلوں سے ملتی ہے اور حوصلے دوستوں سے ملتے ہیں۔ دوست مقدروں سے ملتے ہیں اور مقدر انسان خود بناتا ہے۔
- صرف دو لوگ مقدر والے ہوتے ہیں، ایک وہ جنہیں وفادار دوست ملتا ہے اور دوسرا جن کے ساتھ ماں کی دعائیں ہوتی ہیں۔
- اچھے دوست آنکھ اور ہاتھ کے مانند ہوتے ہیں۔ جب ہاتھ کو تکلیف ہوتی ہے تو آنکھ روتی ہے اور جب آنکھ روتی ہے تو ہاتھ آنسو پونچھتے ہیں۔
- جب آپ عروج پر ہوتے ہیں تو آپ کے دوستوں کو پتہ چلتا ہے کہ آپ کون ہیں اور جب آپ زوال پر ہوتے ہیں تو آپ کو پتہ چلتا ہے کہ دوست کون ہیں۔
- بہترین دوست وہ ہے جو آپ کی آخرت سنوار دے۔
- دوست ہو یا پرندہ دونوں کو آزاد چھوڑ دو، لوٹ آیا تو تمہارا، نہ لوٹ کے آیا تو تمہارا کبھی تھا ہی نہیں۔
- برے دوستوں سے بچو، ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارا تعارف بن جائیں۔
- اچھا دوست چاہے جتنی بار روٹھے، اسے منالینا چاہئے کیونکہ تسبیح کے دانے چاہے جتنی بار بکھریں چن لئے جاتے ہیں۔
- سخی خدا کا دوست ہے، چاہے فاسق ہو اور بخیل خدا کا دشمن ہے، چاہے زاہد ہو۔
- اسے دوست رکھو جو نیکی کر کے بھول جائے۔

ایڈیٹر کے نام............

مانو ریگولر کورس میں داخلوں کیلئے حد عمر میں اضافہ ناگزیر

مانو کا قیام 1998ء میں اقلیتوں کی تعلیمی ترقی کے لئے عمل میں آیا۔ اس کا اصل مقصد مسلمانوں اور اردو داں طبقہ کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا' پیشہ وارانہ تعلیم اور انکی تعلیمی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے ہوئے روزگار سے مربوط کرنا ہے۔ ہر سال یونیورسٹی میں نئے کورس کا آغاز ہوتا ہے۔ اس یونیورسٹی سے فارغ طلباء' ریسرچ اسکالرس بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔ حکومت کی جانب سے اس کا قیام اردو والوں کے لئے نیک شگون قرار دیا جارہا تھا لیکن گزشتہ سال ریگولر کورس میں داخلہ لینے والوں کے لئے حد عمر مقرر کی گئی ہے جس سے اردو ذریعہ تعلیم میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے خواہشمندوں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ اردو داں طبقہ فکرمند ہے۔ میری یونیورسٹی کے انتظامیہ سے اپیل ہے کہ وہ حد عمر کی شرط کو کالعدم کرے تاکہ طلباء میں پھیلی بے چینی دور ہوسکے۔

محمد منیر۔ (ایم سی جے۔ سال اول)

شہر کے مختلف مقامات سے مانو کیلئے سٹی بس کا مطالبہ

شہر حیدرآباد' سکندرآباد اور رنگا ریڈی ضلع کے مضافات میں قائم ہر کالج و تعلیمی اداروں کے لئے تلنگانہ اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کی جانب سے طلباء کے لئے سٹی بسوں کا انتظام ہے، حتیٰ کہ عثمانیہ یونیورسٹی' جواہر لعل نہرو ٹکنالوجیکل یونیورسٹی اور حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی کے لئے بھی بسوں کی سہولت ہے جبکہ مرکزی حکومت کے تحت مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی' گچی باؤلی' حیدرآباد کو جہاں اردو ذریعہ تعلیم سے کئی پیشہ وارانہ کورس کے طلبا واسٹاف کی ایک بڑی تعداد آتی ہے کوئی آر ٹی سی بس نہیں ہے۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ یونیورسٹی آنے والوں کے لئے آر ٹی سی بسوں کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ صرف ایک بس جو صبح کے اوقات میں مہدی پٹنم سے یونیورسٹی تک چلائی جاتی ہے جس کا نہ کوئی ٹائم ٹیبل ہے اور نہ ہی اس بس پر یونیورسٹی کا نام ونمبر ہوتا ہے جس کی وجہ سے شہر کے بیشتر علاقوں بالخصوص پرانے شہر کے محلہ جات جیسے فلک نما' چندرائن گٹہ' شاہ علی بنڈہ' چارمینار' یاقوت پورہ' دلسکھ نگر' ملک پیٹ' ایرا گڈہ اور سکندرآباد سے آنے والے طلبا واسٹاف کو بڑی تکالیف کا سامنا ہے۔

اب جبکہ تعلیمی سال 16-2015 کیلئے مختلف کورس میں داخلوں کا اعلان ہوچکا ہے تو میری تلنگانہ اسٹیٹ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کے ارباب مجاز اور ٹی آر ایس حکومت کے ذمہ داران سے ادباً اپیل ہے کہ حیدرآباد وسکندرآباد بالخصوص پرانے شہر کے طلباء کے لئے صبح وشام کالج کے اوقات میں بڑی تعداد میں آر ٹی سی بسوں کا انتظام کیا جائے تو طلبا کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی کے ملازمین کو بھی سہولت ہوگی۔

محمود شکیل اور کئی طلباء۔ (ایم سی جے۔ سال دوم)

مانو کے نئے چانسلر سے یونیورسٹی کو امیدیں

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی جو ہندوستان میں اردو زبان کی پہلی قومی یونیورسٹی ہے، سب سے منفرد ہونے کے ساتھ ساتھ اس سے وابستہ امیدیں بھی جداگانہ ہیں۔ یونیورسٹی کے نئے چانسلر ظفر سریش والا ہندوستان کی اہم شخصیات میں سے ہیں اور ہمارے وزیراعظم سے ان کے تعلقات بہت اچھے ہیں۔ یونیورسٹی کا ہر فرد یہ امید کرتا ہے کہ چانسلر صاحب، یونیورسٹی کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے ہر طرح سے مدد کریں گے، چاہے وہ مالی تعاون کی شکل میں ہو یا پھر صلاح ومشورے کی شکل میں۔ طلبہ کو روزگار کی تلاش میں کہیں باہر نہ جانے پڑے بلکہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد طلبہ کو کیمپس پلیسمنٹ کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ روزگار کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ یہ ہمارے چانسلر صاحب کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ پڑھائی کے دوران طلبہ کو پیش آنے والے مسائل اور ان کو حل کرنے پر غور فکر کریں گے۔ طلبہ امید کرتے ہیں کہ نئے تقرر شدہ چانسلر جناب ظفر سریش والا طلبہ اور یونیورسٹی سے جڑے مسائل کی یکسوئی اور مستقبل میں کامیابی کی راہ دکھانے میں ہر طرح سے تعاون کریں گے۔

محمد حسنین۔ (ایم سی جے۔ سال اول)

ریڈیو جاکی بننے کیلئے زبان وبیان پر عبور حاصل کرنے کا مشورہ

شعبہ ترسیل عامہ وصحافت میں سینئر صحافی اسلم فرشوری کا گیسٹ لیکچر۔طلبا سے خطاب

حرا آفتاب
(ایم اے،ایم سی جے۔سال دوم)

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کی جانب سے 20 فروری کو ریڈیو پریزینٹیشن ٹیکنک کے موضوع پر توسیعی لکچر کا انعقاد عمل میں لایا گیا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کے زیر اہتمام لکچر کے موقع پر طلبہ نے اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر محمد فریاد کی نگرانی میں اس پروگرام میں شرکت کی جس میں اسلم فرشوری صاحب مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک تھے۔ ڈاکٹر محمد فریاد نے ان کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ اسلم فرشوری صاحب ای ٹی وی اردو چینل کے سابق صدر رہ چکے ہیں۔ آل انڈیا ریڈیو میں اور ڈی ڈی اردو میں بھی انہوں نے کام کیا ہے۔ اسلم فرشوری صاحب نے اردو یونیورسٹی کے ایم سی جے طلبہ کے ساتھ بات چیت کی اور بتایا کہ ریڈیو کے میدان میں ایک اچھا آر جے (ریڈیو جاکی) بننے کے لئے کن مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ انہوں نے طلباء کو مشورہ دیا کہ وہ محنت اور لگن کے ساتھ تعلیم حاصل کریں۔ وہ پہلے یہ سوچ لیں کہ انکی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اپنی سوچ کو ایسا بناؤ جو سامنے والے کو اپنی طرف راغب کر سکے۔ اگر اپنا مقصد پورا کرنے کی دل میں چاہت ہو تو ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ اسلم فرشوری صاحب نے پورے تین گھنٹے طلبہ کے ساتھ تبادلہ خیال کیا اور طلبہ سے بات چیت پر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ طلبا نے بھی ان کی باتوں کو بڑی دلچسپی سے سنا۔ اسلم فرشوری صاحب نے ایم سی جے کے طلبہ کے مستقبل کے لئے اپنا خاص وقت نکالا اور انہیں ریڈیو سے متعلق جانکاری دی۔ اسلم فرشوری صاحب نے اپنے کیریئر کی شروعات ریڈیو کے پروگرام چھوٹی چھوٹی باتوں کے میزبان کے بطور 1970ء میں کی۔ اس کے بعد انہوں نے سیریل اور فلموں میں بھی کام کیا۔ اسلم فرشوری صاحب نے اردو اور ادب کی دنیا میں بھی بڑا نام کمایا۔ انہوں نے شیام بینیگل کے ساتھ اسسٹنٹ ڈائرکٹر بن کر کام کیا فلم انکور میں۔ طلبہ نے اسلم فرشوری صاحب کے تجربات سے خوب استفادہ کیا۔ اسلم فرشوری صاحب کی خاص بات یہ ہے کہ وہ اردو ادب کی دنیا میں بڑا مقام رکھتے ہیں۔ وہ ریڈیو اور سماج میں لوگوں کے نظریات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا ایک اچھا ریڈیو جاکی بننے کے لئے زبان و بیان پر عبور لازمی ہے۔ اس کے ساتھ اگر ہم ریڈیو کے لئے اچھی سوچ اور اچھے لفظوں کا استعمال نہیں کرتے تو ہم ایک اچھے آر جے نہیں بن سکتے۔ ان کے بہت سے مشاعرے کافی مقبول ہوئے اور لوگوں نے ان مشاعروں کو خوب پسند کیا۔ اسلم فرشوری صاحب نے طلبہ کو ریڈیو، فلموں اور سیریل سے جڑے تجربات سے خوب مستفید کیا۔ انہوں نے طلبہ کو اپنی شاعری سے بھی کافی لطف اندوز کیا۔ سارے طلبہ ان کی شاعری میں کھو گئے اور سارا ماضی نظروں کے سامنے جھلملانے لگا۔

یوں تو ہر شخص نظر آتا ہے انسان مجھے
لیکن انسان کی پہچان کہاں سے لاؤں
اور آدمیت کے معیار پر جو پورا اترے
ویسا انسان میں کہاں سے لاؤں

سینئر صحافی اسلم فرشوری، شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کے طلبا کے ہمراہ۔ تصویر میں صدر شعبہ پروفیسر احتشام احمد خان بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

یہ سن کر ایسا محسوس ہونے لگا جیسے ان کا ماضی انہیں بلا رہا ہے۔ اسلم فرشوری صاحب کی باتوں میں طلبہ پوری طرح کھو گئے تھے۔ انہوں نے کہا اگر طلبہ و طالبات ریڈیو میں آر جے بننے کے خواہش مند ہیں تو انہیں کسی بھی زبان پر عبور حاصل کرنا لازمی ہے۔ ریڈیو میں اچھے الفاظ اور اردو زبان پر عبور کے بغیر ریڈیو میں کوئی اچھا آر جے نہیں بن سکتا۔ آر جے بننے کے لئے ہمیں ایسے الفاظ کا استعمال کرنا پڑتا ہے جو صاف و واضح طریقے سے کہے جائیں۔ ریڈیو کیلئے پہلے ہمیں ایک اچھا فن کار ہونا ضروری ہے۔ ریڈیو میں ایک اچھا آر جے بننے کیلئے سب سے بڑا چیلنج آسان، سہل زبان کا استعمال ہے۔ اسلم فرشوری صاحب نے اردو کو شیریں اور دلکش زبان قرار دیا اور کہا کہ اردو محبت کی زبان ہے۔ اسلم فرشوری صاحب کی تقریر ختم ہونے کے دوران صدر شعبہ ڈاکٹر احتشام احمد خان نے مہمان سے ملاقات کرتے ہوئے ان کی زبردست ستائش کی اور طلبا سے خطاب پر ان سے اظہار تشکر کیا۔ انہوں نے آخر میں طلبہ کے سوالات کے جوابات دیئے۔

ایمانداری اور سخت محنت کا کوئی متبادل نہیں: فرخ وقار۔ایم سی جے طلبا سے خطاب

نشاط کلیم
(ایم اے،ایم سی جے۔سال اول)

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبہ ترسیل عامہ وصحافت کی جانب سے 26 فروری کو Radio Jockey career prospects in Radio کے موضوع پر توسیعی لکچر کا انعقاد عمل میں ریڈیو کی دنیا کی مشہور شخصیت جناب فرخ وقار فرخ صاحب نے ایم سی جے طلبہ کے لئے خصوصی وقت نکالا اور کافی دیر تک انہوں نے طلبہ سے بات چیت کی اور ان کے مسائل کو بھی سنا۔ انہوں نے طلبہ کو مشورہ دیا کہ وہ محنت سے تعلیم حاصل کرتے ہوئے اپنا ایک مقصد متعین کریں۔ فرخ صاحب نے کہا کہ منفی سوچ انسانی صلاحیتوں میں زنگ لگا دیتی ہے۔ اس لئے ہمیشہ مثبت انداز میں سوچتے ہوئے اپنے مقصد کو حاصل کرنا چاہئے۔ اس طرح انہوں نے طلبہ کے اندر کچھ کر دکھانے کا جوش وجذبہ پیدا کیا اور ان کے اندر کے ڈر کو ختم کیا۔ انھوں نے طلبہ کو ریڈیو کی بنیادی خصوصیات سے واقف کرایا۔ فرخ صاحب کا ماننا ہے کہ ریڈیو کی دنیا اب خود ایک مسٹر انڈیا ہے۔ ریڈیو ایک ایسی دنیا ہے جس میں لوگوں کو صرف سنا جا سکتا ہے، اس میں دکھائی نہیں دیتا۔ فرخ صاحب ریڈیو کی باریکیوں پر بات کر رہے تھے تو طلبہ حیرت زدہ تھے۔ فرخ صاحب کے لکچر سے ریڈیو جرنلزم کی باریکیوں کو سمجھنے کا موقع ملا۔ فرخ صاحب کی پیدائش ناگپور میں ہوئی۔ ان کی آواز اتنی خوبصورت ہے کہ تمام طلبہ ان کی طرف متوجہ تھے۔ فرخ صاحب کی شخصیت اہمیت کی حامل ہیں۔ انھوں نے اپنے کیریر کی شروعات ایف ایم دبئی سے کی۔ فرخ صاحب نے اپنے زیادہ تر شو اردو میں کئے۔ ان کے شو بہت معلوماتی ہوتے ہیں جس سے انسان کو بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ ان کے شو بہت دلچسپ ہوتے ہیں۔ اگر کسی کا موڈ خراب بھی ہو تو ان کے شو کو سن کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ جب وہ چھٹیوں میں ہندوستان واپس آتے ہیں تو اس دوران وہ ایف ایم سننا پسند نہیں کرتے۔ فرخ صاحب کے اندر بہت ساری خوبیاں ہیں۔ دبئی میں ان کے بہت سارے مداح ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ریڈیو ایک انتہائی طاقتور میڈیا ہے۔ فرخ وقار صاحب فی الوقت گلوکار محمد رفیع مرحوم پر پی ایچ ڈی کر رہے ہیں اور ان کا موضوع محمد رفیع کی یادیں ہے۔ محمد رفیع کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ان کی آواز ہی ان کی پہچان ہے۔ ساری دنیا کا تو پتا نہیں لیکن 89.1 ایف ایم کے متوالے فرخ وقار صاحب وہاں پہنچے اور وہاں جا کر محمد رفیع کی یادیں محسوس کیں۔ مختلف لوگوں سے ان کے بارے میں جاننے کی کوشش کی۔ محمد رفیع صاحب کے 87 ویں یوم پیدائش کے موقع پر انہوں نے امرتسر جا کر ان کی یادوں کو تازہ کیا۔ فرخ وقار صاحب کی آواز میں وہ بات ہے کہ انہیں دبئی میں 4 89.1 ایف ایم میں آر جے کا مقام حاصل ہوا۔ 89.1 ریڈیو ایف ایم دبئی میں عوام کی ہندی گانوں کے ذریعہ دلجوئی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ 4 ایف ایم ریڈیو چینل پر اشتہارات بھی پیش کرتے ہیں۔ دبئی کے تین مشہور ریڈیو اسٹیشنوں میں 104.8 چینل 4FM انگریزی میں 107.8 عربیہ ایف ایم اور 89.14 ایف ایم ریڈیو شامل ہے۔ فرخ وقار صاحب اپنے ریڈیو اشتہار اور شو کی اسکرپٹ خود سے تحریر کرتے ہیں۔ وہ 2001ء میں جب دبئی گئے، اس وقت ہندوستان میں ریڈیو سننے کا رواج نہیں تھا۔ اس کے باوجود ریڈیو سننا ان کے لئے کوئی بات نہیں تھی۔ جب ان کی پیدائش ہوئی تھی اس وقت ٹیلی ویژن کا کوئی دور نہیں تھا صرف ریڈیو سے ہی لوگ لطف اٹھا لیتے تھے۔ یہ زیادہ تر ہندی فلموں کے گانے سننا پسند کرتے تھے۔ دبئی آنے سے پہلے وہ وودھ بھارتی کے پروگرام سنا کرتے تھے لیکن جب وہ یہاں آئے تو انہوں نے سوچا کہ وودھ بھارتی کے پروگرام کو مس کر رہا ہوں لیکن ان کے لئے تعجب کی بات یہ تھی کہ دبئی میں بھی ایف ایم ریڈیو چینلوں پر ہندی گانے آتے تھے۔ اس طرح وہ اپنی 18 سال کی زندگی دبئی میں گزارنے کے بعد اب امریکہ میں 3 سال سے کام کر رہے ہیں۔ اس لکچر میں جو انھوں نے سب سے اہم بات بتائی وہ یہ کہ ایک اچھا آر جے بننے کیلئے کیا کرنا چاہئے۔ اس کی آواز اچھی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ تلفظ بھی اچھا ہونا چاہئے۔ لفظ کی ادائیگی کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اگر آواز اچھی نہیں ہے تو وہ آر جے نہیں بن سکتا بلکہ اس کے لئے محنت کر کے وہ اپنی آواز بہتر بنا سکتا ہے۔ طلبہ صحافت کو مخاطب کرتے ہوئے فرخ صاحب نے کہا کہ ایمانداری اور سخت محنت کا کوئی متبادل نہیں اور طلبہ اگر کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں اس راستے سے ہو کر گزرنا ہوگا۔ انہیں زیادہ سے زیادہ محنت کرنی ہوگی تبھی وہ کسی اچھے مقام کو حاص کر سکتے ہیں۔ اس طرح فرخ صاحب نے اپنے لکچر سے بچوں کے دل کو جیت لیا انہوں نے طرح طرح کی مثالیں دے کر بتایا کہ انسان محنت کر کے اپنی جگہ بنا سکتا ہے۔ فرخ صاحب کا لکچر طلبہ کے لئے کارآمد رہا۔ قبل ازیں صدر شعبہ ڈاکٹر احتشام احمد خان نے فرخ وقار کا تعارف پیش کیا۔ اس موقع پر اسوسی ایٹ پروفیسر محمد فریاد بھی موجود تھے۔ آخر میں فرخ وقار نے طلباء کے سوالات کے بڑے ہی دلنشین انداز میں جوابات دیئے۔

فرخ وقار، ایم سی جے طلبا کے ہمراہ۔

پروفیسر احتشام احمد خاں کی تصنیف
”جدید صحافت“
کا جائزہ

تبصرہ

عبدالقادر صدیقی
ریسرچ اسکالر،
ماس کمیونی کیشن اینڈ جرنلزم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی۔حیدرآباد

قلم کار اور صحافی میں قدرے فرق ہے۔ ہر صحافی قلم کار ہو سکتا ہے لیکن ہر قلم کار، مضمون نویس صحافی نہیں ہو سکتا۔ صحافت ایک فن ہے جسے سیکھا اور برتا جاتا ہے۔ صحافت کے کچھ اصول وضوابط ہیں جس کی پابندی ضروری ہے۔ اس لیے وہی قلم کار صحافی کہلانے کا مستحق ہے جو صحافتی قواعد اور اصول وضوابط سے آشنا ہو۔ آج کی اردو صحافت جدید دور کی صحافت میں داخل ہو چکی ہے۔ جدید اصطلاحات استعمال ہو رہے ہیں اور جدید اصول اور قوانین کے دائرہ کا احاطہ کیا جا رہا ہے۔ حالیہ دنوں میں پروفیسر احتشام احمد خان (صدر شعبہ ترسیل عامہ وصحافت، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی۔حیدرآباد) کی منظر عام پر آنے والی کتاب ”جدید صحافت“ اردو صحافت اور صحافیوں کے انہی جدید تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ پروفیسر احتشام احمد خاں گذشتہ دس برسوں سے جامعہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس سے قبل وہ کئی برس تک عملی صحافت سے منسلک رہے ہیں۔ یہ ان کی پہلی تصنیف ہے۔ اردو یونیورسٹی اردو ذریعہ تعلیم میں ایم اے ماس کمیونی کیشن اینڈ جرنلزم پروگرام چلا رہی ہے۔ اردو زبان میں بہت کم ایسی کتابیں ہیں جو جدید صحافتی منظر کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں۔ ایسے میں مصنف کی یہ کتاب نہ صرف اردو ذریعہ سے ماس کمیونی کیشن اینڈ جرنلزم کورس کرنے والے طلباء بلکہ اردو صحافت سے وابستہ صحافیوں کے لیے بھی کارآمد ہے۔ جیسا کہ مصنف نے خود ہی کتاب کے پیش لفظ میں کتاب کے مقصد کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”زیر نظر کتاب میں ان تمام باتوں کا احاطہ کیا گیا ہے جس کا جاننا ایک صحافی کے لیے بے حد ضروری ہے۔“ مصنف کا میدان ہر چند کہ الکٹرانک میڈیا بالخصوص ٹی وی پروڈکشن رہا ہے، لیکن کتاب ”جدید صحافت“ کے موضوعات کی ترتیب اور تدوین اور اس کے مواد سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف ورقی صحافت اور برقی صحافت پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ دوسو صفحات کی ضخامت والی یہ کتاب 15 ابواب پر مشتمل ہے جس میں پرنٹ میڈیا سمیت الکٹرانک (ریڈیو) میڈیا اور نیوز ایجنسی کا احاطہ کیا گیا ہے۔ پہلے اور دوسرے ابواب میں ہندوستان میں طباعت کی تاریخ اور اردو صحافت کی تاریخ کا جامع احاطہ کیا گیا ہے۔ تیسرے اور چوتھے باب میں خبر نگاری (رپورٹ رائٹنگ) کی فنی وتکنیکی تراکیب کے استعمال کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ خبر کی بنیادی اجزاء اور صحافتی تربیت کے ساتھ ہی ایک بہتر صحافیوں کی خوبیوں کو واضح کیا گیا ہے۔ باب 6 میں پریس قوانین سے متعلق جانکاری دی گئی ہے۔ باب 7 میں تعزیرات ہند کی ان اہم دفعات کا ذکر ہے، جس کا استعمال ایک صحافی کو سماجی مسائل جیسے جہیز، طلاق، قتل، دھوکہ دہی کی رپورٹنگ کرتے وقت کرنا ہوتا ہے۔ باب 8 میں مصنف نے ملکی اور عالمی سطح پر نافذ صحافتی اخلاق وضوابط کا مکمل احاطہ کیا ہے جس کا علم ہونا ہر صحافی کے لیے ضروری ہے۔ نویں اور دسویں باب میں ہندوستان کی آزادی کے بعد صحافت میں آنے والی تبدیلیوں اور اردو صحافت کو درپیش چیلنجوں کو حقائق کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کے بارہویں باب میں مصنف نے ریڈیو کی ابتداء ارتقاء اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ کتاب کا تیرہواں باب پرسار بھارتی کے قیام اور اس کے فرائض پر مشتمل ہے۔ چودھواں باب ہندوستان کی اہم خبر رساں ایجنسیوں کی تاریخ اور ان کے کام کا احاطہ کرتا ہے۔ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ کتاب کی زبان بہت ہی صاف اور سلیس ہے۔ اردو اصطلاح کے ساتھ ساتھ انگریزی اصطلاح کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔ کتاب کی قیمت 200 روپے ہے جو کہ مناسب ہے۔ مجملہ کہا جائے تو یہ کتاب اردو ذریعہ تعلیم صحافت کا کورس کرنے والے طالب علموں اور اردو صحافت سے وابستہ صحافیوں کی صحافتی معلومات میں اضافہ اور تربیت کے لیے ایک عمدہ تصنیف ہے۔ جسے ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

آزاد شناش ٹام الٹر سے خاص ملاقات

عبدالقادر صدیقی

ریسرچ اسکالر، ماس کمیونی کیشن اینڈ جرنلزم

مسوری، اترا کھنڈ میں 22 جون 1952 کو جنم لینے والے ٹام الٹر بالی ووڈ کے مشہور اداکار ہیں۔ ٹام الٹر نے فلمی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد دلیپ کمار کے استاد سے سات برس تک اردو سیکھی اور پڑھی ہے۔ ان کی اردو دوستی جگ ظاہر ہے۔ بالی ووڈ میں آج وہ ان چنندہ لوگوں میں ہیں جو اردو رسم الخط اسکرپٹ کو ترجیح دیتے ہیں اور اردو اخبار پڑھتے ہیں۔ انہوں نے ایکٹنگ کی تعلیم فلم اینڈ ٹیلی ویژن انسٹی ٹیوٹ آف انڈیا سے حاصل کی ہے۔ وہ فلم کے علاوہ تھیٹر کے بھی بڑے اداکار ہیں۔ اردو، ہندی اور انگریزی کے درجنوں ڈراموں میں انہوں نے اپنی ایکٹنگ سے لوگوں کو مسحور کیا ہے لیکن جس ڈرامے نے انہیں سب سے زیادہ مقبولیت دی ہے وہ ڈاکٹر سعید عالم کا ڈرامہ ”آزاد ایک تمثیل“ ہے جس میں انہوں نے مولانا آزاد کا کردار ادا کیا ہے۔ اس ڈرامے نے ان کو اور انہوں نے آزاد کے کردار کو ایک نیا رنگ وروپ بخشا۔ ابھی گذشتہ سال 11 نومبر 2014 کو یوم آزاد کے موقع پر انہوں نے ڈاکٹر سعید عالم کا لکھا دوسرا ڈرامہ ”آزاد کے قلم سے“ میں مولانا آزاد کا کردار ادا کیا جو ہماری یونیورسٹی میں منعقد ہوا تھا۔ اس موقع پر ان سے تین چار گھنٹے کی تفصیلی ملاقات رہی۔ ڈرامے کے اختتام کے بعد انہوں نے میری خواہش پر خاص انٹرویو دینا قبول کرلیا جو آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

سوال: تھیٹر کی ایکٹنگ اور فلمی ایکٹنگ میں کیا فرق ہے اور آپ تھیٹر اور فلم میں کسے ترجیح دیتے ہیں؟

ٹام الٹر: کچھ زیادہ نہیں، دونوں ہی کی ایکٹنگ میں وہی شدت اور وہی جنون اور احساس کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ تھیٹر میں فلم کی طرح ری ٹیک کی گنجائش نہیں ہوتی۔ میں کام کی نوعیت نہیں دیکھتا ہوں۔ میری نظر اپنے کردار پر ہوتی ہے۔ میں اسکرپٹ کے منظر کو نہیں بلکہ اس کے پس منظر پر زیادہ توجہ دیتا ہوں، اس کے معنی پر دھیان دیتا ہوں اور پھر اسے منتخب کرتا ہوں۔

سوال: آپ کی اداکارانہ زندگی میں سب سے بڑا ہاتھ کس کا ہے؟

ٹام الٹر: میرے ایکٹنگ گرو روشن تنیجا کا، انہوں نے مجھے تراشا ہے۔ آج جو کچھ ہوں انہیں کی تربیت کا اثر ہے۔ وہ شبدوں (الفاظ) سے اوپر ہیں۔ ان کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ ان سے بے پناہ محبت اور عقیدت ہے۔

سوال: آپ کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ جس نے آپ کی زندگی میں تبدیلی لائی ہے؟

ٹام الٹر: میں سمجھتا ہوں کہ مولانا آزاد کی زندگی پر سعید عالم کا لکھا گیا ڈرامہ ”آزاد ایک تمثیل“۔ اس ڈرامے نے جیسے میری زندگی کا رخ ہی بدل دیا ہے۔ یا یوں کہیے کہ اس ڈرامے کے ساتھ میری زندگی میں ایک نئی صبح کا آغاز ہوا۔

سوال: سعید عالم سے ملاقات کیسے ہوئی؟ اور ڈرامہ آزاد ایک تمثیل میں مولانا آزاد کا کردار کرنے پر کیسے رضامند ہوئے؟

ٹام الٹر: یہ 2002 کی بات ہے۔ جب ایک دن اچانک سعید عالم میرے گھر آ پہنچے۔ یہ میری ان سے پہلی ملاقات تھی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کو اپنے ڈرامہ آزاد۔ ایک تمثیل“ میں مولانا آزاد کے کردار میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے ان سے اسکرپٹ مانگی تو انہوں نے مجھے اس کی رومن تحریر والی اسکرپٹ دی۔ میں نے وہ اسکرپٹ انہیں بغیر پڑھے یہ کہہ کر واپس کردی کہ مجھے اردو اسکرپٹ چاہیے پھر بات ہوگی۔ تین دن کے بعد وہ اردو اسکرپٹ کے ساتھ دوبارہ میرے گھر آئے۔ اسکرپٹ پڑھتے ہوئے مجھے اتنا مزہ آیا کہ صرف تین صفحے پڑھنے کے بعد میں نے ڈرامے میں آزاد کے کردار کے لیے رضامندی دے دی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ 2002 کے آخر میں ہم نے اس کو پہلی بار اسٹیج کیا تھا۔

سوال: ڈرامہ آزاد ایک تمثیل اسٹیج کرنے سے قبل آپ مولانا آزاد سے کس حد تک واقف تھے؟

ٹام الٹر: مولانا آزاد کے نام سے میرے کان بچپن سے ہی آشنا تھے کیوں کہ میرے والد صاحب ان کے بڑے مداح تھے۔ وہ اکثر ان کا تذکرہ کیا کرتے تھے جس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ میری پیدائش سے قبل مولانا آزاد نے ہمارے شہر مسوری میں ایک تقریر کی تھی جسے میرے والد نے سنی تھی اور بہت پسند کی تھی لیکن ڈرامہ آزاد ایک تمثیل سے قبل تک میں آزاد سے اس قدر واقف تھا کہ وہ جدوجہد جنگ آزادی کے یک مجاہد تھے۔ فلمی دنیا میں آنے کے بعد اردو سیکھنے کے زمانے میں ان کی کتاب غبار خاطر کی تھوڑی سی ورق گردانی کی تھی لیکن ڈرامہ ”آزاد۔ ایک تمثیل“ اور ”آزاد کے قلم سے“ کے اسٹیج کرنے اور ان کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد اب میں ان کی زندگی کے سیاسی، ادبی، ثقافتی گوشوں سے واقف ہو چکا ہوں۔

ٹام الٹر سے عبدالقادر صدیقی بات چیت کرتے ہوئے۔

سوال: ”آزاد ایک تمثیل“ اور ”آزاد کے قلم سے“ دونوں ہی ڈراموں کے کردار کو آپ نے نبھایا ہے لیکن اس میں آپ زیادہ کسے پسند کرتے ہیں؟

ٹام الٹر: میں موازنہ کا قائل نہیں ہوں۔ دونوں ہی ڈرامے اپنے لحاظ سے مکمل ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ آزاد ایک تمثیل کی اسکرپٹ ڈرامہ نگار کی خالص اپنی تخلیق ہے جبکہ آزاد کے قلم سے کی اسکرپٹ مولانا آزاد کی تحریروں کا مجموعہ ہے۔ پہلا حقیقت ہو کے بھی فکشن ہے دوسرا فکشن ہو کے بھی حقیقت ہے۔

سوال: آپ نے راجیہ سبھا ٹی وی کے حالیہ سریل ”سمویدھان“ (دستور) میں بھی آزاد کا کردار ادا کیا ہے۔ اس کے متعلق کچھ بتائیں۔

ٹام الٹر: سمویدھان (دستور ہند) ایک تاریخی سیریل ہے۔ اس میں ہندوستان کی تقسیم سے قبل کیبنٹ مشن اور دیگر تاریخی واقعات، مولانا آزاد کا کانگریس کے عہدہ صدارت سے استعفیٰ، ہندوستان کی تقسیم، گاندھی جی کا مون برت، گاندھی جی کا قتل اور اس کے بعد دستور ہند کے نفاذ تک کو پیش کیا گیا ہے۔ اس سیریل کو شیام بینگل نے ڈائرکٹ کیا ہے۔ میں نے ان کے ساتھ فلم سبھاش چندر بوس، بھارت ایک کھوج، جنون اور اب سمویدھان میں کام کیا ہے۔ اس سیریل میں مولانا آزاد کا تاریخی کردار ادا کر کے بہت مزہ آیا۔ ایک دلچسپ بات بتاتا ہوں۔ سیریل سمویدھان میں جو لوگ کام کر رہے تھے انہوں نے رومن اسکرپٹ لی تھی جبکہ میں نے اردو اسکرپٹ کا استعمال کیا۔ اس سیریل کے ایک منظر میں مجھے مولانا آزاد کی وہ یادگار تقریر کرنی تھی جو انہوں نے آزادی کے بعد ملک کی زبان کے مسئلہ پر کی تھی اور یہ تجویز رکھی تھی کہ ہندوستان کی زبان ہندوستانی ہو۔ جب میں یہ تقریر کرنے کیلئے کھڑا ہوا تو میرے سامنے انہوں نے ٹیلی پرامپٹر لگا دیا تاکہ میں اس میں دیکھ کر تقریر کر سکوں۔ ہم نے کہا کہ ٹیلی پرامپٹر ہٹا دو۔ ہم اسکرپٹ دیکھے بغیر آزاد کی تقریر کر سکتے ہیں۔ ہمارے ساتھیوں نے تعجب کا اظہار کیا۔ میں نے انہیں بتایا یہ تو بس تین صفحہ کی اسکرپٹ ہے۔ میں نے آزاد ایک تمثیل کی 52 صفحہ کی اردو اسکرپٹ زبانی پڑھی ہے۔ اس پر ان لوگوں نے بہت زیادہ حیرت کا اظہار کیا۔

مانو کیمپس میں سوائن فلو شعور بیداری مہم

پراکٹر پروفیسر عبدالواحد کے ہاتھوں افتتاح۔ ڈاکٹر قطب الدین کی رہنمائی میں طلبا نے جوش و خروش سے حصہ لیا

محمد منیر
(ایم اے ایم سی جے۔ سال اول)

حیدرآباد۔10 فروری۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے اسٹاف و طلبا و طالبات نے شہر حیدرآباد و تلنگانہ ریاست میں پھیلی متعدی وبا "سوائن فلو N1H1" کے متعلق شعور بیداری مہم کا اہتمام یونیورسٹی کی مرکزی کتب خانہ کے روبرو کیا۔ اس موقع پر یونیورسٹی طلبا ء یونین کی جانب سے ایک کیمپ کا انعقاد عمل میں لایا گیا جس کا افتتاح پروفیسر عبدالواحد پراکٹر کے ہاتھوں ہوا۔ انہوں نے اس موقع پر کہا کہ سوائن فلو ایک خنزیری وبا ہے جو گزشتہ پانچ برس قبل امریکہ اور یوروپ میں پہلی مرتبہ سامنے آئی۔ اس متعدی وبا سے آئے دن لوگ متاثر ہو رہے ہیں اور کئی مقامات پر اس مہلک بیماری سے جانی نقصان بھی ہو رہا ہے۔ چونکہ اس بار حیدرآباد میں اس وبا کا اثر زیادہ دکھائی دے رہا ہے اور لوگوں میں اس کو لے کر خوف کی لہر پائی جاتی ہے۔ بچے بوڑھے مرد و خواتین متاثر ہو رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ شکر ہے اس متعدی وبا سے یونیورسٹی اب تک محفوظ ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی اس مرض سے متاثر نہیں ہو سکتا ہو۔ احتیاط ضروری ہے۔ انہوں نے شرکاء پر زور دیتے ہوئے کہا کہ یونیورسٹی سے باہر جاتے وقت ماسک پہن کر جائیں۔ انہوں نے یونیورسٹی کی جانب سے فراہم کردہ 3000 ماسک کی تقسیم کا آغاز کیا۔ اس کیمپ میں یونیورسٹی ہیلتھ سنٹر کے ڈاکٹر قطب الدین انصاری بھی موجود تھے۔ انہوں نے بتایا کہ طلباء کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں چونکہ یہ مرض خطرناک ضرور ہے لیکن ابتدائی علامات ظاہر ہوتے ہی اس پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر انصاری نے کہا کہ سوائن فلو خنزیری وبا ہے۔ ایسی جگہوں پر جہاں خنزیروں کی تعداد پائی جاتی ہے ان کے ذریعہ یہ انسانوں میں منتقل ہوتی ہے۔ اس فلو کی علامتوں کو واضح کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ اگر کسی کو بخار، کھانسی، گلے میں درد و خراش، ناک بہنا یا بند ہونا، سانس لینے میں تکلیف، جسم درد، سر میں درد، تھکان، پژمردگی، ڈائیریا، الٹیاں (قے) ہونا، تھوک میں خون آنا وغیرہ کی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں وہ "سوائن فلو" ہے۔ مذکورہ علامتوں میں کوئی مبتلا ہو تو فوراً ڈاکٹر سے رجوع ہوں۔ میل جول سے اجتناب کریں۔ پانی زیادہ پئیں اور نیند اچھی طرح لیں۔ پھر انہوں نے اس کے بچاؤ سے واقف کراتے ہوئے بتایا کہ جب کبھی آپ بازار یا ہجوم میں ہوں تو ان باتوں کا خیال ضرور رکھیں۔ کھانسی یا چھینک آئے تو فوراً رومال منہ پر رکھ لیں، کسی سے ملاقات کرتے وقت ہاتھ نہ ملائیں۔ بھیڑ والے علاقوں میں زیادہ دیر نہ رہیں۔ گھر و ہاسٹل آنے پر صابن سے ہاتھ دھولیں۔ بہتر ہے کہ ماسک کا استعمال کریں تا کہ آپ محفوظ رہ سکیں۔ کیمپ میں طلباء یونین کے صدر نور الضحیٰ نے پراکٹر کو ماسک پہنا کر مفت تقسیم کی شروعات کی اور کہا کہ اگر کسی کو یونیورسٹی میں اس طرح کی شکایت لاحق انہیں فوری طبی امداد فراہم کی جائے گی۔ نائب صدر طلباء یونین عاقب نذر نے شرکاء میں ماسک تقسیم کئے اور یونین اراکین نے مانو کے مختلف شعبوں میں موجود ٹیچنگ و نان ٹیچنگ، طلباء و طالبات، گرلز ہاسٹل میں نشاط کلیم، خوشنواز ایم سی جے اور بوائز ہاسٹل میں محمد صلاح الدین علی نے فرداً فرداً ماسک تقسیم کئے۔ اس کیمپ میں یونین کے نمائندوں شہاب عالم، شاداب عالم اور دوسروں نے بھی حصہ لیا۔

مانو کیمپس میں سوائن فلو شعور بیداری مہم، طلبا ماسک تقسیم کرتے ہوئے۔

مانو میں سائنس اور پیرامیڈیکل کورس کی شروعات

سرٹیفکیٹ ان ڈائیلاسس ایمرجنسی، سرٹیفکیٹ ان میڈیکل ٹیکنیشین اور ڈپلوما ان ایمرجنسی میڈیکل ٹیکنیشین متعارف

محمد حسنین
(ایم اے۔ ایم سی جے۔ سال اول)

ہندوستان کی پہلی قومی اردو یونیورسٹی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ہے جس کا قیام پارلیمنٹ ایکٹ کے تحت 1998 میں عمل میں آیا۔ یہ یونیورسٹی، اگنو کے بعد واحد یونیورسٹی ہے جس کے ساتھ قومی لفظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ یونی ورسٹی کے شیخ الجامعہ اور نائب شیخ الجامعہ کی اہم کوششوں سے پروفیشنل کورسیز ایم سی جے، بی اے اور ایم ایس ڈبلیو کے بعد سائنس اور پیرا میڈیکل کورس شروع کر دیئے گئے ہیں۔ سال 15-2014 میں سرٹیفکیٹ ان ڈائیلاسس ایمرجنسی، سرٹیفکیٹ ان میڈیکل ٹیکنیشین اور ڈپلوما ان ایمرجنسی میڈیکل ٹیکنیشین کے علاوہ دیگر کورس کو سیلف فائنانس کی بنیاد پر میڈون انسٹیٹیوٹ آف میڈیکل سائنس کے تعاون سے شروع کیا گیا ہے۔ ہر کورس میں 60 نشستیں ہیں اور ہر کورس کی مدت دو برس ہے اور اس کی فیس تقریباً 34000 روپے مقرر کی گئی ہے۔ ان کورسیز میں داخلے میرٹ کی بنیاد پر دیئے جاتے ہیں۔ سرٹیفکیٹ کورس میں دسویں پاس کوئی بھی طالب علم داخلہ لے سکتا ہے اور ڈپلوما کورس میں بارہویں پاس یا پھر سرٹیفکیٹ مکمل کردہ طالب علم داخلہ لے سکتے ہیں۔ کورسیز میں علم حیاتیات، علم طبیعات اور علم کیمیاء سے تعلق رکھنے والے طلبہ کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس کے بعد علم ریاضی، علم کیمیاء اور علم طبیعات والے طلبہ کو ترجیح دی جاتی ہے۔ آخر میں دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والے طلبہ داخلہ لے سکتے ہیں۔ ان تمام کورسیز میں داخلے کے لئے اردو کا علم ہونا لازمی ہے۔ ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسیز کے طلبہ کو یونیورسٹی کی طرف سے ہاسٹل کی سہولت فراہم نہیں کی جاتی لیکن مستقبل میں تمام طلبہ کو یونیورسٹی کی طرف سے ہاسٹل کی سہولت فراہم کی جاسکتی ہے۔ ان تمام کورسیز کا ذریعہ تعلیم اردو زبان ہے۔ اس وقت ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسیز میں جملہ طلبہ کی تعداد 28 ہے جن کا تعلق مختلف ریاستوں جیسے اتر پردیش، آندھرا پردیش،

بہار اور تلنگانہ سے ہے۔ ان کورسیز میں تقریباً 168 طلبہ نے داخلہ کے لئے کوشش کی لیکن اردو زبان سے ناواقفیت کی بناء پر ان کا داخلہ ممکن نہیں ہوسکا۔ ان کورسیز کے ہونہار طلبہ کو میڈون انسٹیٹیوٹ آف میڈیکل سائنس اور بابو خان ٹرسٹ کی طرف سے وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔ یہ کورسیز اسکول آف سائنس کے تحت آتے ہیں۔ اس اسکول کے ڈین پروفیسر فضل الرحمان ہیں۔ سائنس اور پیرا میڈیکل کورسیز کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر مقبول احمد ہیں۔ یونیورسٹی انتظامیہ وقتاً فوقتاً میڈون انسٹیٹیوٹ آف میڈیکل سائنس کی رہنمائی حاصل کرتی رہتی ہے۔ میڈون انسٹیٹیوٹ آف میڈیکل سائنس کی طرف سے یونیورسٹی کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر محمد سمیع اللہ ہیں۔ یہ سینٹر نامپلی کے چراغ علی لین میں واقع ہے۔ یونیورسٹی انتظامیہ کی کوشش ہے کہ ان کورسیز کی تکمیل کے بعد طلبہ کو روزگار کے مواقع بھی فراہم کئے جائیں۔ یونیورسٹی انتظامیہ آنے والے برسوں میں دیگر ڈگری کورسیز شروع کرنے کی مسلسل جدوجہد کر رہی ہے۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے آٹھ علاقائی تعلیمی سینٹر ملک کے مختلف علاقوں میں موجود ہیں جہاں پر سولہ کورسیز کی تعلیم دی جاتی ہے جن میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

وسیع مطالعہ، قیافہ شناسی، انسانی نفسیات کی سمجھ اور گہرا ادراک، ایک صحافی کے اصل ہتھیار

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ ترسیل عامہ و صحافت کے صدر پروفیسر محمد شافع قدوائی سے طالب علم ایم سی جے مانو حامد علی ڈار کا انٹرویو

پروفیسر محمد شافع قدوائی شعبہ ترسیل عامہ و صحافت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں صدر کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کی حالیہ کتاب "اردو ادب اور صحافت" کیمبرج یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہوئی اور بڑے پیمانے پر تنقیدی نقطہ نظر سے ناقدین کا خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ موصوف کے مضامین ادب و ثقافت کے موضوع پر دی ہندو اخبار میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا تحقیقی مقالہ "جدیدیت کے ساتھ مضبوط اخلاقیات" سرسید کے مجلے میں ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔ موصوف کا انیسوی صدی کی صحافت پر بھی کافی کام ہے، جس میں "اردو میں ترسیل عامہ کے ایوان کی لغت" 2003 اور انداز کتاب 2002 کو منظر عام پر آئی۔ موصوف عالمی سطح پر مختلف ممالک (انگلینڈ، قطر، شام، تھائی لینڈ اور پاکستان) کا سفر کیا ہے اور وہاں انہوں نے اپنے تحقیقی مقالے پیش کئے۔ وہ ساہتیہ اکیڈمی اور نیشنل کونسل فار پروموشن آف اردو کے رکن بھی ہیں۔ وہ 70 سے زیادہ تحقیقی مقالات پیش کر چکے ہیں اور 100 سے زیادہ بین الاقوامی اور قومی سیمیناروں میں بھی شرکت کر چکے ہیں۔ پیش ہے ان سے لیا گیا ایک انٹرویو۔

سوال۔ نامور صحافیوں اور مفکروں نے صحافت کی تعریف اپنے اپنے ڈھنگ سے کی ہے۔ آپکی نظر میں صحافت کی تعریف کیا ہے۔

جواب۔ صحافت کا تعلق انسانی جذبات سے ہے اور مختلف صحافیوں نے اسکی طرح طرح سے تعریفیں کی ہیں۔ صحافت کا بنیادی تعلق خبروں کی تفصیل سے ہے۔ اس لحاظ سے واقعات کی کم و کاشت تفصیل کا نام صحافت ہے اور صحافت کا خبر رسانی سے تعلق ہے لیکن صحافت اداریہ نگاری کا بھی نام ہے جو تفصیل سے ہوتی ہے اور مضمون نگاری کا بھی تو مضمون نگاری اور اداریہ نگاری میں جو انسان کی معروضی نقطہ نظر ہے اسکو بروئے کار نہیں لایا جاتا بلکہ آپکو اپنی رائے دینی ہوگی اور قارئین کی ذہن سازی کرنی ہوتی ہے تو صحافت کا مطلب ہوتا ہے کہ انسان کو عقلی اور منطقی طور پر کسی صورت حال سے واقف کرایا جائے اور اسکی جو صورت حال ہے اسکے پس منظر سے واقف کرایا جائے اور انسان ایک مخصوص صورت حال میں کس طرح کا نقطہ نظر اختیار کرے اسکے بارے میں بتایا جائے تو اسی کا نام صحافت ہے۔ صحافت کا تعلق روز مرہ کے واقعات سے ہے اور روزمرہ کے ایسے واقعات جن کا تعلق آپکی زندگی سے گہرا ہوتا ہے۔ جہاں تک ادب کا تعلق ہے تو زندگی کے جو بڑے گوشے ہوتے ہیں جن کو ہم کہتے ہیں جیسے انسان کیا ہے؟ انسانی تقدیر کیا ہے؟ زندگی کیا ہے؟ یہ بنیادی سوال ہے جو پانچ ہزار سال تاریخ کی معلومات پر مشتمل ہیں۔ ادب ان چیزوں پر توجہ رکھتا ہے اور اس کے مقابلے میں صحافت روزمرہ کے واقعات جن کی حیثیت عارضی ہوتی ہے ان کو اپنا مطمع نظر بناتی ہے۔

سوال۔ کیا ہفتہ واری میگزین کو بھی ادب کے زمرہ میں رکھا جاسکتا ہے؟

جواب۔ میگزین تو ادب نہیں ہوتی ہے بلکہ وہ ایک ادب کا حصہ ہوتی ہے اگر آپ اردو صحافت کی تعریف کرنا چاہیں تو آپکو لگے گا کہ وہ لوگ کتنے بڑے ادیب تھے۔ چاہے وہ سرسید احمد خاں ہوں، چاہے وہ مولانا ابوالکلام آزاد ہوں، چاہے حسرت موہانی ہوں یا پھر ماجد دریا بادی ہوں، جتنے ہمارے بڑے بڑے ادیب تھے ان کا تعلق صحافت سے تھا۔ یہ سب لوگ صحافت سے متعلق چاہے علامہ شبلی ہوں جو الندوہ نکالتے تھے۔ اردو میں ادیب ہونے کا مطلب چاہے پنڈت رتن ناتھ سرشار ہو جن کا ناول فسانہ عجائب ہے۔

سوال۔ اردو صحافت سے متعلق کیا انگریزی صحافت کا بھی یہی حال ہے؟

جواب۔ انگریزی اخبار کے شروعاتی دور میں ایسا ضرور تھا۔ انگریزی کے بلند پایہ نثر نگار تھے جوزف ایڈیس جو ہندوستان میں پایونیر اخبار کے ایڈیٹر رہے۔ ادیبوں کی ایک پوری روایت رہی ہے مگر آپ جب ہندوستان میں انگریزی اخبارات کو دیکھیں تو کوئی ادب کا مجھے ایسا اہم نام نظر نہیں آتا جو صحافی ہو۔ صحافی انگریزی زبان کے بہت اچھے گزرے ہیں جیسے موجودہ دور میں کلدیپ نیر اور ایم جے اکبر۔ یہ لوگ تو صحافی ہیں جو بہت اچھا لکھتے ہیں لیکن ادب کا اردو کے حوالے سے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ زمانہ نہیں تو آپ دیکھیں تو اردو کے سرکردہ بہت کم ایسے ادیب ہیں جو کسی اخبار سے منسلک ہوں۔ یا مدیر ہوں۔ یہ ہم نے پرانی مثالیں دیں۔ آزادی کے بعد بھی 1974 تک ہمارے حیات اللہ انصاری افسانہ نگار تھے وہ قومی آواز کے مدیر بھی تھے۔ اب تو کسی اخبار میں اس طرح کے مشہور و معروف شاعر یا ادیب شعبہ ادارہ سے منسلک ہوں بہت کم ملیں گے۔

سوال۔ اردو صحافت کو آپ کس نظریئے سے دیکھتے ہیں؟ جبکہ اردو صحافت آج صرف ایک خاص کمیونٹی کی صحافت بن کر رہ گئی ہے؟

جواب۔ ہاں اس میں بہت زیادہ صداقت بھی ہے اور دوسرے پہلو سے غور کریں تو صداقت بھی نہیں ہے۔ اسکو مان لینے میں بظاہر کوئی تامل نہیں ہونا چاہئے۔ اردو جو زندہ ہے وہ مدرسوں کی وجہ سے زندہ ہے اور بہت سے مسلمان ہیں ان کے بچے اردو نہیں پڑھتے۔ اردو کہا جاتا ہے کہ مسلمان کی زبان پہلے نہیں تھی لیکن ادھر کافی عرصوں سے ہندوؤں کی تعداد کچھ ایسی ہے جو اردو پڑھتی ہے۔ اردو مسلمانوں کی زبان بن گئی لیکن اخباروں کو آپ دیکھیں تو انقلاب، دینک جاگرن والوں نے خرید لیا۔ سہارا کارپوریٹ سیکٹر کا اخبار ہے۔ اب تو شخصی صحافت ہے نہیں لیکن اب اردو صحافت ضرور ہے۔ مسلمانوں کے جو مسائل ہیں ان کو ظاہر ہے کہ آپ توجہ دیں گے۔ چاہے اسکے قارئین ہیں جس فرقہ سے ان کا تعلق ہو اسکا لحاظ صحافت کو رکھنا پڑتا ہے۔

سوال۔ آج میڈیا مالکان کارپوریٹ گھرانے ہیں۔ ایسے میں آزاد صحافت کی امید ہم کیسے کر سکتے ہیں؟

جواب۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ آج کا جو میڈیا ہے، ان کے تاجرانہ مقاصد ہیں جن کی تکمیل اور بجا آوری کے لئے یہ اخبار نکالے جاتے ہیں۔ سہارا اردو اخبار بھی کارپوریٹ کا ہے اور انقلاب دینک جاگرن والوں نے خرید لیا ہے۔ کبھی اردو اخبار بک رہے ہیں۔ آپ کو لگ رہا ہے کہ اخبار بک رہا ہے اور ان سے متعلق جتنے مالی فوائد ہیں ان کو ہم حاصل کر رہے ہیں۔ کارپوریٹ ورلڈ نے مفادات کی تکمیل کی خاطر اردو اخبار کو خریدا اور آزادنہ صحافت آزادانہ طریقے سے کوئی فیصلہ نہیں لے سکتی جو مینجمنٹ کہے گا اسی کے مطابق صحافت ہوگی۔

سوال۔ پرائیوٹ ٹی وی چینل لا آف obscenity کی خلاف ورزی کرتے نظر آتے ہیں۔ اسے کس طرح روکا جاسکتا ہے؟

جواب۔ دیکھئے اگر کوئی قانون کی خلاف ورزی کرے گا تو اسکے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جاسکتی ہے لیکن براڈ کاسٹ کاؤنسل آف انڈیا ابھی ہمارے سامنے آئی ہے obscenity کا جہاں تک تعلق ہے اور فحاشی کا مسئلہ ہے، کچھ لوگ اسے فحاشی سمجھتے ہیں۔ ہاں مجھے ایسا نہیں لگتا کہ یہ چیزیں اخباروں میں بھی نظر آتی ہیں اور چینلوں میں بھی نظر آتی ہیں جبکہ ہماری زندگی کا لازمی حصہ بن گیا ہے اس میں صرف اخباروں کو مطعون کرنا مناسب نہیں ہے ء آپ اپنی ذاتی زندگی میں چلے جایئے کس طرح کے واقعات ہو رہے ہیں کس طرح چیزوں کو دیکھ رہے ہے تو میڈیا وہی کر رہا ہے جو سماج میں ہو رہا ہے۔ تو اگر میڈیا کر رہا ہے تو اس میں بہت زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

سوال۔ صحافت کو بطور پیشہ اختیار کرنے کیلئے کیسی تیاری کی ضرورت ہے؟

جواب۔ آج کے جو صحافی نکلتے ہیں کورس کر کے ضرور آتے ہیں لیکن صحافت اس حد تک محدود نہیں ہے۔ آپ کو دنیا کے موضوعات کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہونا چاہئے۔ ایک بہترین صحافی اسی وقت بن سکتے ہیں جب کا آپ مطالعہ انتہائی وسیع ہو۔ معاملہ فہمی کی صلاحیت ہو۔ گہرا ادراک رکھتے ہو اور قیافہ شناسی کا ہنر جانتے ہو۔ انسانی نفسیات کی سمجھ کا حامل ہو۔ ایک صحافی کے لئے ان باتوں کا ہونا لازمی ہے۔ زبان و بیان پر قدرت اور ندرت اس کا خاصہ ہوتی ہے۔ قلم پر گرفت رکھنے والا صحافی کسی بھی قسم کے موضوعات پر سیر حاصل تبصرے کر سکتا ہے۔ غرض یہ کہنا چاہوں کا آج جو طلبا بھی صحافت کا پیشہ اختیار کرنا چاہتے ہیں وہ مطالعہ کو اپنی عادت بنالیں۔ غور فکر کا انداز اختیار کریں۔ نئے موضوعات پر قلم اٹھائیں اور کسی نہ کسی اخبار یا صحافتی ادارہ سے منسلک ہو جائیں اور اپنے ہنر میں ندرت اور جدت پیدا کریں۔

یونیورسٹی میں دو روزہ آرٹ اور فوٹو گرافی نمائش کا اہتمام

حیدرآباد۔ 18 ستمبر۔ (اظہار بیورو) مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے مرکز برائے زبان و ثقافت و ادب میں طلباء کی دو روزہ آرٹ اور فوٹو گرافی نمائش کا افتتاح نائب شیخ الجامعہ ڈاکٹر خواجہ محمد شاہد کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ اس موقع پر نائب شیخ الجامعہ نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ طلباء برادری کی جانب سے اس قسم کی نمائش کا انعقاد ایک مثبت اقدام ہے۔ طلباء نے اپنی بہترین تخلیقی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کی یہ کوشش و کاوش جامعہ کے روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔ اس نمائش میں شعبہ ماس کمیونی کیشن اینڈ جرنلزم کے پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالر عبدالقادر صدیقی نے قدرتی مناظر اور ہندوستان کی دیہی زندگی کی عکاسی کے مرکزی خیال پر اپنی 12 فوٹو گراف کی نمائش کی جس میں گاؤں دیہات کی زندگی اور حسین قدرتی مناظر کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ وہیں شعبہ انگریزی کے ایم فل کے ریسرچ اسکالر نے نیم تجریدی منقش پر اپنی 17 آئیل و دیگر پینٹنگس کی نمائش کی۔ شعبہ مینجمنٹ اینڈ کامرس کے ایم اے کے طالب علم نے پنسل اسکیچ میں اپنی تخلیقات کو پیش کیا۔ اس نمائش کو طلباء اور اساتذہ برادری نے خوب سراہا اور مستقبل میں بھی اس قسم کی تخلیقاتی سرگرمیوں کے انعقاد پر زور دیا۔ اس دو روزہ نمائش کے پہلے دن شائقین فنون لطیفہ کی بڑی تعداد نے شرکت کی اور اپنے بیش قیمتی خیالات کا اظہار کیا۔

نائب شیخ الجامعہ ڈاکٹر خواجہ محمد شاہد، آرٹ و فوٹوگرافی نمائش کا مشاہدہ کرتے ہوئے۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا فاصلاتی طرز تعلیم

اردو داں طبقہ کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے میں شب و روز مصروف

محمود شکیل
(ایم اے، ایم سی جے۔ سال دوم)

تعلیم انسان کے دماغ کی راہیں کھول دیتی ہے۔ یہ قدرت کا وہ حسین تحفہ ہے جسے اللہ رب العزت نے اشرف المخلوقات کو عطا کیا ہے۔ انسانوں میں عقل، سمجھ، سوجھ بوجھ اور تعلیم کی آراستگی نے انہیں زندگی جینے کا سلیقہ عطا کیا ہے۔ دنیا کی ہر قوم اور مذہب وملت نے علم کی دولت اور اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ ہمارے مذہب نے علم حاصل کرنے کو فرض قرار دیا ہے۔ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تو فرمادیا کہ علم حاصل کرنے کیلئے چین و ایران بھی جانا پڑے تو جائیں لیکن علم ضرور حاصل کریں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب علم کا حصول جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوا کرتا تھا لیکن آج وہ زمانہ نہیں رہا۔ آج عالم کاری نے پوری دنیا کو گلوبل ویلج میں تبدیل کردیا ہے۔ سرکاریں، تعلیم کیلئے شعور بیداری پروگرام چلارہی ہیں۔ اپنے شہریوں کو علم کے حصول کیلئے گھر گھر مہم چلارہی ہیں۔ شہر شہر، گاؤں گاؤں، قریہ قریہ پرائمری مڈل اور ہائی اسکولوں کا جال سا بچھا رکھا ہے۔ کیا بچہ بوڑھا اور کیا نوجوان مرد ہو کہ خواتین ہر ایک کو علم کے زیور سے آراستہ کرنے کیلئے کوئی کسر نہیں چھوڑی جارہی ہے۔

ہماری سابق وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی صاحبہ نے دہلی کی اندرا گاندھی یونیورسٹی سے فاصلاتی طرز تعلیم متعارف کرایا تھا۔ اس کے فوری بعد ملک کی بیشتر بڑی یونیورسٹیوں نے جن میں کامراج یونیورسٹی چینائی، ڈاکٹر امبیڈکر یونیورسٹی (اوپن) حیدرآباد بھی ہے، فاصلاتی طرز تعلیم کی سہولتیں فراہم کررہی ہیں۔ ایسی یونیورسٹیوں کی تعداد بڑھ کر 44 ہوگئی ہے۔

1998ء میں آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم کے نام پر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا پارلیمان کے قانون کے تحت قومی سطح پر قیام عمل میں آیا۔ یوں تو یونیورسٹی روایتی اور فاصلاتی دونوں طریقوں سے پیشہ وارنہ اور روزگار پر مبنی تعلیم فراہم کرتی ہے اور اہم بات یہ ہے کہ اس کا ذریعہ تعلیم اردو زبان قرار دیا گیا ہے۔ یونیورسٹی کیمپس کی تعمیر کیلئے شہر حیدرآباد کے پرفضا مقام گچی باولی کو منتخب کیا گیا ہے۔ تقریباً دوسو ایکر وسیع وعریض احاطہ پر تعلیمی مراکز کیعلاوہ بشمول حیدرآباد، جموں و کشمیر تقریباً سارے ہندوستان میں اس کے سینٹرس کام کررہے ہیں۔

اس یونیورسٹی کو NAAC نے "A" گریڈ عطا کیا ہے۔ یہاں پر طلبہ واساتذہ اور عملے کو نا صرف شہر حیدرآباد بلکہ سارے ہندوستان سے منتخب کیا جاتا ہے۔ اعلیٰ ومعیاری تعلیم اس یونیورسٹی کی خصوصیت مانی جاتی ہے۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے قیام کا جن اغراض ومقاصد کے تحت عمل میں آیا تھا ان میں اردو کی ترقی وترویج، اردو میں تکنیکی روزگار پر مربوط پیشہ وارانہ تعلیم کی فراہمی، تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ دینا شامل ہے۔ اس طرح آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم نے اپنی قوم کے نونہالوں کیلئے جو خواب دیکھا تھا اسے اس کی تعبیر کہا جاسکتا ہے۔ اسی مقصد کو لے کر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے روایتی اور فاصلاتی طرز تعلیم کے ذریعہ اردو دان طبقہ کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ ایسے طلباء جو محض روایتی ذریعہ تعلیم میں پچھڑ کر رہ گئے ہیں انھیں اردو ذریعہ تعلیم کی مدد اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے قابل بنانا اور قوم کے نوجوانوں میں اردو کے واسطے سے علمی تصورات کا صحیح ادراک پیدا کرنا، انکی علمی اپج کی تربیت کرنا اور انھیں ایک نئے تخلیقی سماج کی تشکیل میں اپنے بھرپور رول ادا کرنے کے قابل بنانا۔

اردو میں روزگار پر روایتی اور تکنیکی تعلیم کی فراہمی کے ذریعہ معاشی طور پر پچھڑے ہوئے اردو داں طبقہ کو خود کفیل بنا کر ملک کے لئے بے روزگاری کے مسئلے کو حل کرنے میں ان کی مدد کرنا۔ ان اقدامات کے خاطر خواہ نتائج بھی سامنے آرہے ہیں جس کا اندازہ آپ مندرجہ ذیل ڈیٹا سے لگا سکتے ہیں۔ اکتوبر 2014 تک امتحانات میں شرکت کیلئے طلبا کی کثیر تعداد نے رجسٹریشن کرایا۔ اتنی بڑی تعداد کیلئے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا فاصلاتی نظامت تعلیم کیا کچھ نہیں کررہا ہے۔

انڈر گریجویٹ کورس:

یو جی کورس	خواتین	مرد	جملہ تعداد
سال اول	8007	8262	16269
سال دوم	231	397	558
سال سوم	6092	6445	12537

پوسٹ گریجویٹ کورس (اردو):

سال اول	3918	3972	7890
سال دوم	101	172	273

پوسٹ گریجویٹ کورس (انگریزی):

سال اول	1357	1787	1344
سال دوم	48	62	110

پوسٹ گریجویٹ کورس (تاریخ):

سال اول	647	876	1523
سال دوم	13	38	51

این ایس ایس کے زیر اہتمام کیمپس میں خون کا عطیہ کیمپ

75 طلبا اور اساتذہ کی شرکت۔ گاندھی جینتی کے موقع پر کوئز پروگرام کا انعقاد

عامر احسان
(ایم اے، ایم سی جے۔ سال اول)

اس بے غرض اور بے حس دنیا میں کچھ پل ایسے ہوتے ہیں جہاں یہ شدت سے احساس ہوتا ہے کہ انسانیت ابھی بھی زندہ ہے۔ جہاں ایک انسان اپنی زندگی کے قیمتی جواہر اور جسم کا جاوداں حصہ کسی کو ہنستے ہوئے گفٹ کردیتا ہے۔ جی ہاں ایسا ہی کچھ نظارہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں دیکھنے کو ملا جب این ایس ایس کے زیر اہتمام مانو کیمپس میں خون کا عطیہ کیمپ منعقد کیا گیا جس میں میں تقریبا 75 طلباء اور متعدد اساتذہ واسٹاف نے خون کا عطیہ دے کر دوسروں کی زندگی بچانے میں معاونت کی۔ خون کا عطیہ کیمپ کا یہ پروگرام اسٹیٹ بلڈ ٹرانسفیوژن کونسل اور عثمانیہ جنرل ہاسپٹل بلڈ بنک کی یکجا معاونت سے کامیابی سے ہمکنار ہو۔ یہ پروگرام ڈاکٹر قطب الدین انصاری اور بہت سے نامور ڈاکٹروں کی موجودگی میں انجام پایا۔ اس موقع پر مانو کے وائس چانسلر پروفیسر محمد میاں اور پراکٹر پروفیسر عبدالواحد نے کیمپ کا دورہ کیا اور معاونین کے حوصلوں کو سراہا۔ خاص طور پر طلباء اور اسٹاف اور مینجمنٹ ٹیم کو مبارکباد دی۔ اس موقع پر انہوں نے کہا کہ قابل مبارک ہیں آپ سب کہ آپ نے دین ومذہب اور چھوٹے بڑے کی تمیز کئے بغیر انسانیت کی خدمت کی حالانکہ آپ کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ آپ خون کس کو دے رہے ہیں۔ انہوں نے تمام عملے کی بے لوث خدمات کی تعریف کی اور مستقبل کے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ واضح رہے کہ این ایس ایس مانو سماجی و معاشرتی پہلو سے ہمیشہ اپنی بہترین خدمات انجام دیتی رہی ہے۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں گاہے بگاہے سماجی و معاشرتی پروگرام منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ این ایس ایس مانو کے ذریعہ کئی فلاحی وامدادی کیمپ لگائے جاتے رہتے ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی کے تحت مہاتما گاندھی کے یوم پیدائش (گاندھی جینتی) سے ایک دن قبل طلباء اور عوام میں معاشرے اور ملک کے تعلق سے ذہنی بیداری کے لئے ایک بڑے پروگرام کا انعقاد کیا گیا جس میں سینکڑوں طلباء نے شرکت کی جس میں کئی طرح کی سرگرمیاں چلائی گئیں۔ کوئز مقابلہ اور سلوگن تیاری کا مقابلہ تھا جہاں ملک وسماج سے متعلق سوالات وجوابات کے ذریعہ طلباء کی فطری صلاحیتوں کو نکھارنے کی کوشش کی گئی۔ ان تمام موقعوں پر ایم سی جے کے اسوسی ایٹ پروفیسر اور این ایس ایس کے صدر ڈاکٹر محمد فریاد اور دیگر اساتذہ موجود رہے اور طلباء و دیگر معاونین کی حوصلہ افزائی کی۔ اس مسابقتی وفلاحی پروگرام میں انعامات سے بھی نوازا گیا۔ اس کا سلسلہ برابر چلتا رہتا ہے۔ بعد میں ایک پروگرام کے تحت خون کا عطیہ دینے والے طلبا اور دیگر عطیہ کنندگان کو سرٹیفکیٹس عطا کئے گئے۔ اس طرح کے پروگرام طلباء میں ملک اور معاشرے کے تحت بیداری لانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

گھر سے دُور ایک گھر، مانو گرلز ہاسٹل

نشاط کلیم
(ایم اے، ایم سی جے۔ سال اول)

مانو گرلس ہاسٹل، گھر سے دور ایک گھر جہاں گھر کی یاد بہت کم آتی ہے کیونکہ یہاں گھر جیسا ماحول جو میسر ہے۔ یہاں ساری چیزوں کی سہولیات دستیاب ہیں۔ ایک روم میں دو طالبات کے رہنے کا انتظام ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ریڈنگ روم کی بھی سہولت دی گئی ہے۔ 24 گھنٹے برقی رہتی ہے۔ یہاں تین وقت کے کھانے کے علاوہ شام میں چائے بھی دی جاتی ہے۔ کھانے میں زیادہ تر لڑکیاں چاول پسند کرتی ہیں۔ یہاں کے ہاسٹل میں کھانے میں کھٹا شوربہ ضرور بنایا جاتا ہے جو میں نے کبھی کسی اور جگہ نہیں دیکھا۔ یہاں کے لوگ کھٹا اس بہت پسند کرتے ہیں اور اب ہمیں بھی اس کی عادت ہوگئی ہے اور جب نہیں ملتا تو پریشان ہوجاتی ہیں کیونکہ یہاں کا جو موسم ہے کھٹا نہ ملنے پر چہروں پر دانے نکلنے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں رہنا ہے تو کھٹا کھانا ضروری ہے۔ روٹی بہت کم ملتی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں مختلف ریاستوں جیسے بنگال، کشمیر، بہار، یوپی، ہریانہ سے لڑکیاں آتی ہیں جن کے رہن سہن بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں کھانے میں مسائل کا سامنا ہوتا ہے۔ بہار یوپی کے لوگوں کو زیادہ چاول پسند نہیں ہوتا جسکی وجہ سے انہیں اس وقت گھر کی بہت یاد آتی ہے۔ یہاں لڑکیوں کو جمعہ کا بہت انتظار رہتا ہے کیونکہ اس دن رات کے کھانے میں بریانی ملتی ہے۔ ہاسٹل میں تقریباً 250 لڑکیوں کے قیام وطعام کا انتظام ہے۔ ہاسٹل میں وائی فائی کی سہولت بھی ہے۔ کچھ لوگ تو اس کا صحیح فائدہ اٹھا رہے ہیں اور کچھ لوگ اس کا استعمال صرف فیس بک، واٹس ایپ اور یوٹیوب پر ویڈیوز دیکھنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ہاسٹل میں موبائل نٹ ورک کی بہت پریشانی رہتی ہے جس کی وجہ سے لڑکیاں بہت پریشان رہتی ہیں۔ نٹ ورک کیلئے ہم اپنے اپنے روم سے نکل کر باہر بات کرتی ہیں۔

ہاسٹل میں ٹی وی بھی ہے جس پر شام تقریباً ساڑھے آٹھ سے ساڑھے گیارہ بجے تک لڑکیاں اپنے پسندیدہ شو دیکھتی رہتی ہیں۔ ہاسٹل کے اندر ایک بہت بڑا گراؤنڈ ہے جس میں زیادہ تر لڑکیاں کھانا کھانے کے بعد گانے سنتے ہوئے ٹہلتی ہیں۔ رات میں دیر تک ٹہلنا اور ادھر ادھر باتیں کرنا اسکے بعد سب لوگ اپنے اپنے کمرے میں جاکر اپنی پڑھائی میں مصروف ہوجاتی ہیں۔ ہاسٹل میں جگہ جگہ واٹر کولرس کا انتظام ہے۔ فلٹر کیلئے ایکوا گارڈ لگے ہیں۔ کھیلنے کیلئے بیڈمنٹن اور کیرم کی سہولت دستیاب ہے۔ اردو، ہندی، انگریزی اور تلگو اخبارات منگوائے جاتے ہیں۔ ہیلتھ سنٹر بھی ہے۔ جب کسی کی طبیعت خراب ہوجاتی ہے تو فوری علاج کیا جاتا ہے۔ ہر وقت ڈاکٹر موجود رہتے ہیں۔ زیادہ طبیعت خراب ہونے پر ایمبولینس کی سہولت ہے۔ مختلف ریاستوں سے آئی ہوئی لڑکیوں کی زبانیں بھی مختلف ہوتی ہیں جسکی وجہ سے ہاسٹل میں دوسری زبان سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ ہاسٹل کی سب سے اچھی چیز یہ ہے کہ یہاں نماز روم بھی ہے جس میں پانچ وقت نماز کا اہتمام کیا گیا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ دینی اجتماع بھی ہوتا ہے۔ فجر کے وقت ایک دوسرے کو جگاتے ہیں۔ یہاں ماشاءاللہ زیادہ تر لڑکیاں نماز کی پابند ہیں۔ ہاسٹل میں ایک ڈے کیر بھی ہے جس میں تمام اسٹاف کے بچے صبح سے شام تک رہتے ہیں اور ان کے رہنے کا بہت اچھا انتظام بھی ہے۔ ان کے لئے جھولے بھی ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کیلئے ملازمائیں بھی رہتی ہیں جو ان کا بہت اچھا خیال رکھتی ہیں۔ یہاں کا موسم انتہائی خوشگوار رہتا ہے۔ سردیوں میں زیادہ سردی نہ گرمیوں میں زیادہ گرمی۔ ہمیشہ موسم معتدل رہتا ہے۔ شمالی ہند کے مقابلہ یہاں موسم ہر طرح سے بہترین ہے۔ جب بھی بارش ہوتی ہے تو لڑکیاں اپنے ہاسٹل کے گراؤنڈ میں مزے کرتی ہیں۔ سب اپنے اپنے دوست کو آواز لگا کو بلاتی ہیں اور جھوم جھوم کر گاتی ہیں۔ بارش سے تاہم ہمیں گھر کی یاد آجاتی ہے۔ غرض زندگی کا یہ مرحلہ انتہائی دلچسپ ہے۔

مسک بونانزا کی فاتح ٹیم ''اوینجرس'' کے کھلاڑی ٹرافی کے ساتھ دیکھے جاسکتے ہیں۔

مانو میں مسک بونانزا کرکٹ ٹورنمنٹ، اوینجرس کو چمپئن کا خطاب

فائنل میچ میں مانو ٹائیگرس کو 15 رن سے شکست۔ فاتح ٹیم کا آل راؤنڈ مظاہرہ

حیدرآباد۔ 9 مارچ (اظہار بیورو) مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں مارچ 2015ء کے پہلے ہفتہ میں مسک بونانزا کرکٹ ٹورنمنٹ کا انعقاد عمل میں لایا گیا۔ ٹورنمنٹ کا افتتاح مانو طلبہ یونین کے سکریٹری شہاب عالم نے انجام دیا۔ یہ ٹورنمنٹ کیرالہ کے طلبہ کی جانب سے منعقد کیا جس میں 8 ٹیموں نے حصہ لیا۔ ٹورنمنٹ ایک ہفتہ تک چلا۔ ٹورنمنٹ کا فائنل میچ 9 مارچ کو کھیلا گیا۔ فائنل میں اوینجرس اور مانو ٹائیگرس کی ٹیموں نے رسائی حاصل کی۔ اوینجرس کے کپتان محمد سلمان نے ٹاس جیت کر پہلے بلے بازی کا فیصلہ کیا۔ اس طرح اوینجرس کی ٹیم نے پہلے بیٹنگ کرتے ہوئے جملہ 10 اوورس میں 89 رن بنائے جس کے جواب میں مانو ٹائیگرس کی ٹیم صرف 74 رن بنا سکی۔ اس طرح اوینجرس کی ٹیم نے فائنل میچ 15 رن سے جیت لیا اور مسک بونانزا کا خطاب اپنے نام کرلیا۔ طلبا یونین کے صدر نورالضحیٰ نے بطور خاص فائنل میچ کا مشاہدہ کیا اور دونوں ٹیموں کی حوصلہ افزائی کی۔ بعدازاں صدر شعبہ ترسیل عامہ وصحافت پروفیسر احتشام احمد خان نے فاتح ٹیم کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے انہیں ٹرافی حوالہ کی۔ بی ٹیک کے طالب علم فرحان اختر کو ان کے بہترین مظاہرہ پر مین آف دی میچ کا ایوارڈ عطا کیا گیا جبکہ ایم اے اردو کے طالب علم محمد سیف پلیئر آف دی ٹورنمنٹ قرار پائے۔ تقسیم انعامات کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے صدر شعبہ ترسیل عامہ وصحافت پروفیسر احتشام احمد خان نے کہا کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اسپورٹس بھی ناگزیر ہیں۔ آج کل تو اسپورٹس کے میدان میں ہی نوجوان اتنی شہرت اور دولت کمارہے ہیں کہ قدیم زمانے میں کھیل کود پر تنقید کرنے والے بھی آج اس کے گرویدہ ہوگئے ہیں۔ انہوں نے طلبا کو مشورہ دیا کہ خواہ وہ کوئی بھی پیشہ اختیار کریں، چاہے کھیل کود ہو، ہنر یا اعلیٰ تعلیم، اس میں کمال پیدا کریں۔ تب ہی ہم کچھ مقام پیدا کرسکتے ہیں۔ انہوں نے کرکٹ کے شیدائی طلبا کو تلقین کی اگر واقعی کرکٹ پلیئر بننا چاہتے ہیں تو سخت محنت کریں اور اپنے کھیل میں استقلال کا مظاہرہ کرتے ہوئے قومی ٹیم میں جگہ بنانے کی کوشش کریں۔ انہوں نے مسک بونانزا کی فاتح ٹیم کو دلی مبارکباد پیش کی۔

ہندوستانی جمہوریت بمقابلہ مذہبی عصبیت

عبدالقادر صدیقی
ریسرچ اسکالر،
ماس کمیونی کیشن اینڈ جرنلزم
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

انسانی زندگی اپنے ارتقاء کے ساتھ سماجی زندگی میں داخل ہوئی۔ سماجی زندگی کو چلانے اور نظم ونسق قائم کرنے کے لیے نت نئے نظام حکومت اور نظریاتی ''ازم'' سامنے آتے گئے جیسے شہنشاہیت، آمریت، جمہوریت، سوشلزم، مارکسزم، وغیرہ ہا۔ عصر حاضر میں ان سب نظام حکومت میں جمہوریت سب سے زیادہ مقبول نظام حکومت ہے۔ ہر چند کہ جمہوریت میں عوام کی حکومت ہوتی ہے، لیکن اس کا دوسرا تاریک پہلو یہ ہے کہ حکومت پر کنٹرول اکثریتی طبقہ کا ہوتا ہے۔ بقول شاعر مشرق

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اقتدار کس سیاسی پارٹی کو حاصل ہوگا یہ اکثریت طئے کرتی ہے۔ ایسے میں اس نقطہ کو سمجھنا بہت اہم ہے کہ کوئی بھی جمہوری نظام اسی وقت کامیاب ہوسکتا ہے جب کہ اس میں مذہبی آزادی کے ساتھ ساتھ مذہبی رواداری بھی ہو۔ کیوں جمہوری نظام میں نیشنلزم کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اکثریتی طبقہ نیشنلزم کو اپنے مذہبی رسوم وروایات سے منسوب کرنے لگتے ہیں جس کے سبب بعض اوقات یہ انتہا پسندی کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ اکثریتی طبقہ کو لگتا ہے کہ حب الوطنی کا جذبہ صرف ان ہی کے اندر موجود ہے۔ جبکہ اقلیت ان کے قائم کردہ ''نیشنلزم'' کے تصور کے لیے خطرہ ہیں۔ دوسری طرف اقلیت طبقہ خود کو غیر محفوظ سمجھنے لگتا ہے، اسے لگتا ہے کہ اس کے تہذیب وتمدن کو مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے اس کے حب الوطنی پر شک کیا جارہا ہے اور اکثریت طبقہ زبردستی اپنا نظریہ اور معاشرہ لادنے کی کوشش کررہا ہے۔ نتیجے میں اکثریت اور اقلیت کے درمیان کھائی بڑھتی جاتی ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی ملک کی اکثریت جب مذہبی انتہا پسندی یا نسلی انتہا پسندی جارحانہ قوم پرستی یا Jingoism میں تبدیل ہو جاتی ہے تو یہ اس ملک کے اقلیت کے لیے وجود کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔ اس جارحانہ وطن پرستی نظریہ کا استعمال ہٹلر نے اپنی نازی پارٹی کے ذریعہ جرمنی میں کیا تھا۔ اس کے تحت اس نے وہاں کی یہودی اقلیت کے لیے کا نعرہ دیا تھا۔ ''میرا دشمن جرمنی کا دشمن ہے، ہمیشہ ایک اور صرف ایک یہودی''۔ اور ہزاروں سال پرانے آریہ تہذیب کو ابھارنے کی کوشش کی گئی اور یہودیوں کی ہر اچھی سے اچھی چیز کو غیر آریہ تہذیب کہ کے مٹایا گیا۔ ہٹلر کا یہی جارحانہ قوم پرستی نظریہ ہندوستان میں ہندوتوا کے طور پر متعارف ہوا ہے۔ جس کے تحت ہندوستان کی تاریخ اس کی تہذیب وتمدن کو خالص برہمنی نقطہ نظریہ سے پیش کیا جاتا ہے اور اس مسلم تہذیب وتمدن کو ملک کی غلامی کی علامت سمجھ کر اس سے نفرت کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف ویدک تہذیب کے نام پر دیومالائی کہانیوں اور روایتوں کو ہندوستان کی تہذیب اور سائنس بنا کے پیش کیا جارہا ہے۔ ہندوستان میں ہندوتوا نظریہ کی جڑ بہت گہری اور پرانی ہے۔ کانگریس میں شامل ہندو قائدین کی بڑی تعداد ہندوستان ہندو مذہبی رنگ میں رنگا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ جس میں پہلے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجند پرساد، سردار پٹیل، ولبھ پنت روی شنکر شکلا ب، بی سی رائے اور پرشتم داس ٹنڈن پیش پیش تھے۔ جنہیں مسلمانوں کی تہذیب ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ لیکن سردار پٹیل کی اچانک موت اور پھر پنڈت نہرو اور اس کے بعد اندرا گاندھی کی ملی جلی پالیسی اس کے آڑے آگئی۔ 90 کے دہائی کے ابتدا میں بی جے پی کے قیام اور پھر میں ہندوتوا کے فروغ کے ساتھ ہی جارحانہ مذہبی اور نسلی انتہا پسندی نے اپنے پیر جما لیے اور اس کے نتیجہ میں بابری مسجد شہید کردی گئی۔ اور اس انتہا پسندی کے سرخیل لیڈر ایل کے اڈوانی نے بابری مسجد کی شہادت کے بعد اور ممبئی فرقہ وارانہ فساد کے بعد 30 جنوری 1993 کو یہ بیان دیا کہ اگر مسلمان خود کو ہندوتوا کے نظریہ کے تحت اپنی شناخت پیش کریں تو فرقہ وارانہ فساد ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہوگا۔'' 1996 میں اقتدار کی دہلیز پر پہنچی اور 99-1998 میں اقتدار میں آنے کے بعد ہندوتوا طاقتوں نے اپنے اس دیرینہ خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کی کوشش کی جسے بنکم چند چٹرجی، بلراج مادھوک، لالہ لاجپت رائے، ویر ساورکر سے لیکر سردار پٹیل نے دیکھا تھا۔ اور این ڈی اے حکومت کے وزیر تعلیم مرلی منوہر جوشی کی قیادت میں ''تعلیم کا بھگوا کرن'' ہندوتوا پروٹوکول پر عمل پیرا ہونے کا پہلا عملی مثال۔ اس کے بعد 2004 میں یوپی اے کے حکومت میں آجانے سے 2014 تک یہ خواب ادھورا رہ گیا تھا۔ اب دوبارہ پوری اکثریت کے ساتھ بی جے پی کے حکومت میں آجانے سے ہندوتوا پروٹوکول پر دوبارہ عمل آوری شروع ہو چکا ہے۔ دستور ہند کے رو سے ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے۔ دستور ہند کے مطابق اسٹیٹ یا حکومت کا اپنا کوئی مذہب نہیں ہے۔ بلکہ وہ تمام مذاہب کو یکساں نظر سے دیکھے گی اور اس کا احترام کریگی۔ دستور ہند کی اس وضاحت سے یہ پتا چلتا ہے کہ سرکار، سرکاری مشنریاں اور سرکاری ادارے کسی خاص مذہب کی تبلیغ وترویج کے مکلّف نہیں ہیں۔ ایسے میں وجیے دشمی کے موقع پر ناگپور میں ۱۳ اکتوبر کو دوردرشن (ڈی ڈی نیشنل) چینل کے ذریعہ آر ایس ایس چیف موہن بھاگوت کی تقریر کا راست ٹیلی کاسٹ کرنا، ہندوستان کے وزیر اعظم کا دوسرے ملکوں کے رہنماؤں کو گیتا کا پاٹھ پڑھانا، گنیش کے ہاتھی کے سر کو پلاسٹک سرجری سائنس قرار دینا اور سائنس کانگریس میں سات ہزار سال قبل کے خود ساختہ ''پشپک ویمان'' کی بات کرنا، ہندوستان کی جمہوریت پر کئی سوالات کھڑا کرتا ہے۔

ویمن اسٹڈیز

حرا آفتاب
(ایم اے، ایم سی جے۔ سال دوم)

مطالعات نسواں (women's studies)، خواتین کے حقوق ومرتبہ کے متعلق ایک فکر، ایک رجحان ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جدید تعلیمی وتحقیقی پروگرام ہے۔ یہ پروگرام دراصل مغربی ممالک سے لیا گیا ہے۔ خاص تعلیمی پروگرام کی حیثیتیں اس کی ابتدا 1960 میں امریکہ نے کی اور 1970 کے بعد سے دنیا کے مختلف ممالک میں اس کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ ایک بہترین سماج کی تشکیل کرنے کا کام women studies ہے۔ اس کو تربیتی پروگرام بھی کہا جاتا ہے۔ سماج کے ذہنوں کو تبدیل کرنے کے مقصد سے women studies بنا۔ یہ ایک شعبہ جاتی پروگرام ہے جس کو ہم multi disciplenary کہتے ہیں جہاں سماج میں عورت کی اہمیت کو بہتر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بنیادی طور پر ''مطالعات نسواں'' خواتین کے مسائل اور ان کے حل کے مطالعہ جات کا میدان ہے جس کا مقصد خواتین کے مقام کو بہتر بنا کر ان کی ترقی کے لئے حکمت ہائے عمل کی تجاویز فراہم کرنا تا کہ وہ ملک کی ترقی کے اہم دھارے میں شامل ہوسکیں۔ دنیا کا ہر بڑا آدمی یہ کہتا آیا ہے کہ ایک لڑکا جب تعلیم حاصل کرتا ہے وہ صرف اس کی حد تک محدود ہوتا ہے لیکن جب ایک لڑکی تعلیم پاتی ہے تو اس سے پورے خاندان اور سماج کو فائدہ پہنچتا ہے۔ خواتین کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر شعبہ میں تعلیم حاصل کریں تا کہ خواتین سے جڑے مسائل کو حقیقی پس منظر میں دیکھا جا سکے۔ لیکن تعلیم نسواں کا اہم مقصد خواتین سے متعلق معاملات پر زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا اور ان کو پھیلانا ہے تا کہ خواتین خود اپنے مسائل و مقام سے واقف ہوسکیں اور اپنے مسائل کے حل کو تلاش کرسکیں۔ اس سے خواتین کو نہ صرف فائدہ ہوتا ہے بلکہ اسے اپنے حقوق کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں اور ان میں شعور بیدار ہوتا ہے اور ان کی ذہن سازی ہوتی ہے۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے ذریعہ خواتین کے لئے مختلف سیمینارس، لکچرز، شعور بیداری پروگرام، قانونی مشاورتیں، مفت ہیلتھ کیمپ، ڈاکیومنٹری، فلمز، اشتہارات اور تربیتی پروگرام کے ذریعہ سماج میں خواتین کے حقوق ومسائل کے متعلق شعور بیدار کیا جارہا ہے۔ آج کے دور میں تعلیم حاصل کرنا مرد اور عورت کی ضرورت بن چکی ہے لیکن گھر کے اندر اور باہر دونوں جگہ پر آزادی رائے، فیصلہ سازی کی طاقت پر مرد کا کنٹرول ہوتا ہے جبکہ گھر میں بھی اس کی حیثیت اہم ہوتی ہے۔ آج کے دور میں عورتوں کو مردوں کے برابر کچھ حد تک مساوی حقوق دیے جارہے ہیں۔ آج خواتین تعلیم کے میدان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہے تا کہ وہ اپنی آنے والی نسل کو نئی سمت اور نئی راہ دکھا سکے۔

پانی کی اہمیت اور اس سے جڑے مسائل

عامر احسان
(ایم اے، ایم سی جے۔ سال اول)

دنیائے فانی میں زندہ رہنے کے لئے انسان کو کسی نہ کسی چیز پر منحصر ہونا پڑتا ہے۔ پانی کے بغیر دنیا میں زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پانی قدرت کی ایسی نعمت ہے جو نباتات وجمادات اور حیوانات کے لئے زندگی ہے۔ دنیا کا جب سے وجود ہوا اس وقت سے پانی ہر کسی کے لئے زندگی کا سامان ہے تو دوسری طرف وہی تباہ وبربادی کا سبب بھی بنتا ہے۔ قدرتی طور پر دنیا تین حصہ پانی اور ایک حصہ خشکی پر مشتمل ہے۔ اسی طرح انسانی جسم بھی 65 فیصدی پانی پر ہی مبنی ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جاندار کو زندہ رہنے کے لئے پانی کتنا اہم ہے۔ دنیا پر موجود تین حصہ پانی میں صرف 2.5 فیصد پانی ہی پینے کے لائق ہے جو ہمیں ندی، جھیلوں، گلیشیرس اور زمین کی اندرونی سطح سے میسر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ 97.5 فیصد پانی میں نمک کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اسے پینے کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ دنیا بھر میں سبھی وسائل کی تعداد محدود ہے۔ دنیا میں بہت سے ممالک ایسے بھی ہے جہاں پینے کے پانی کی مقدار مختصر ہے۔ اس سلسلے میں افریقہ براعظم کے ممالک صومالیہ، کوموروس اور موریطانیہ جیسے ملکوں میں پینے کے پانی کی مقدار بے حد کم ہے جہاں تقریباً 40 فیصد لوگوں کو صاف پینے کا پانی مہیا نہیں ہے۔ دنیا میں 1.1 بلین لوگوں کی ایسی تعداد بھی ہے جو صاف پانی پینے سے محروم ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر اقوام متحدہ نے 10 جولائی 2010 کو جنرل اسمبلی کی میٹنگ میں پانی اور صحت وصفائی کو انسانی حقوق کا درجہ فراہم کیا۔ اس کے تحت ہر شخص کو حق ہے کہ اسے روزانہ 50 سے 100 لیٹر پانی 1000 میٹر کے دائرے میں مہیا کیا جائے۔ پانی کی اہمیت سلاوی کہاوت میں اس طرح بیان کی گئی ہے ''خالص پانی دنیا کی پہلی اور اہم ترین دوا ہے''۔ دنیا میں بڑھتی آلودگی بھی جاندار مخلوق کو دن بہ دن مشکلات میں ڈالتی جارہی ہے۔ پینے کے پانی کے ذرائع جیسے ندی، جھیل، زمینی سطح اور گلیشیرس میں بڑھتی اقتصادی جنگ نے آلودگی کو بڑھاوادیا ہے۔ ایشائی سطح پر اگر دیکھا جائے تو ہندوستان جیسے سرسبز وشاداب ملک میں جہاں ندی، جھیل، نہروں اور دریاؤں کی بھرمار ہے، یہاں پر بھی پانی کی قلت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ خاص کر ہندوستان کے 22 بڑے شہروں میں پینے کے پانی کی قلت بڑھتی جارہی ہے جس میں سرفہرست جبل پور، دھنباد، میرٹھ، کانپور، فرید آباد، وشاکھاپٹنم، دہلی، ممبئی اور حیدرآباد وغیرہ شامل ہیں جہاں عوام پانی کی پریشانیوں سے دوچار ہیں۔ ہندوستان کے شہری علاقے میں 96 فیصد اور دیہی علاقے میں 84 فیصد لوگوں تک ہی پینے کا پانی فراہم ہے۔ ہندوستان کی بڑی ندیوں میں گنگا، جمنا، گومتی اور کرشنا ندی جو کرناٹک، آندھرا پردیش اور تلنگانہ سے نکلتی ہے یہ بری طرح آلودگی سے دوچار ہے جس میں حیدرآباد شہر کا گندا پانی اور 700 چھوٹی بڑی کمپنیوں سے نکلنے والا کچراو گندہ پانی کرشنا ندی میں گرایا جارہا ہے جس کی وجہ سے پینے کا پانی اور کھیتی باڑی سینچنے کے لئے صاف شفاف پانی میسر نہیں ہو پارہا ہے۔ حیدرآباد کے حسین ساگر کی بھی گندگی کسی سے چھپی نہیں ہے۔ حیدرآباد کے بڑے ذخائر آب سنگور، مانجرہ، حمایت ساگر اور عثمان ساگر کے ذریعہ گریٹر حیدرآباد کی 90 لاکھ کی آبادی کو پانی سربراہ کیا جاتا ہے۔ نیشنل جیوفزیکل رسرچ انسٹی ٹیوٹ نے آگاہ کیا ہے کہ آنے والے کچھ برسوں میں ہندوستان کے بڑے شہروں میں پانی کی سخت قلت ہوگی۔ نیشنل رورل واٹرڈرنکنگ پروگرام بھی چلایا جارہا ہے جہاں پانی کی شفافیت پر ملک بھر میں 149 ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ پروجیکٹ کی اسکیم چلائی جارہی ہے جس میں 133 پروجیکٹ مکمل ہو چکے ہیں۔ اس طرح پینے کے پانی کے تحفظ کے لئے کمپنیوں کے گندے پانی کو نہروں، ندیوں اور دریاؤں میں گرنے سے روکنا ہوگا۔ موجودہ دور کے پس منظر میں نہروں، ندیوں، دریاؤں اور ذخیرۂ آب میں جو گندگیاں پھیل رہی ہیں اور صاف پانی فیکٹریوں اور کمپنیوں کے کچرے سے زہریلا ہورہا ہے اسے جدید تکنیک کے ذریعہ اس کی حفاظت ضروری ہے خواہ وہ سرکاری طور پر ہوسکے یا غیر سرکاری تنظیموں کے ذریعہ اور ساتھ ہی عام وخواص کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس کی حفاظت انفرادی اور اجتماعی طور پر لازم اور ضروری ہے۔

سیٹلائٹ کے دور میں کیبل ٹی وی کی اہمیت

سید باقر
(ایم اے، ایم سی جے۔ سال دوم)

ہندوستان میں پہلی مرتبہ 15 ستمبر 1959ء کو ٹیلی ویژن کا حکومت ہند نے آغاز کیا۔ یہ وہ تاریخی دن تھا جس روز آزاد ہندوستان میں ٹیلی ویژن نشریات دہلی کی 20 بستیوں کے حدود میں نشر کی گئیں۔ یہ نشریات عالمی ادارہ UNESCO کے تعاون سے تعلیم، ترقی اور عوامی فلاح وبہبود کی بنیادوں پر شروع کی گئی تھیں۔ نشریات ہفتہ میں دومرتبہ پیش کی جاتیں۔ یہ تجربہ ہندوستانیوں کے لیے ایک انوکھا تجربہ تھا جس میں وہ ایک چھوٹے ٹی وی اسکرین پر راست اور ریکارڈیڈ پروگرام دیکھ رہے تھے۔ حکومت کی جانب سے چند ایک ٹی وی سیٹس مخصوص مقامات پر لگائے گئے تھے اور ایک ٹی وی سیٹ پر تقریباً دوسو ناظرین ہفتہ میں دوبار صرف ایک گھنٹے کے لیے پیش کیا جانے والا پروگرام دیکھا کرتے۔ ہندوستان میں ٹیلی ویژن کا آغاز ہوا اور نصف صدی سے زائد ٹیلی ویژن نشریات نے اپنا سفر طے کرلیا۔ آج ہم اس دور میں ہیں جو انفارمیشن ٹکنالوجی، انٹرنیٹ اور سٹیلائٹ کا دور ہے۔ جس آزاد ہندوستان نے 1959ء میں اپنا پہلا سرکاری ٹیلی ویژن شروع کیا تھا اسے بعد میں دوردرشن کا نام دیا گیا۔ آج اسی ہندوستان میں سینکڑوں سیلائٹ چینل ہیں۔ ماہ جولائی 2014ء میں قومی وزارت اطلاعات و نشریات کے مطابق ہندوستان میں جملہ 798 سٹیلائٹ چینل ہیں جن میں 397 نیوز چینل اور 401 دیگر چینل ہیں۔ ٹیلی ویژن خدمات کی حصولیابی کے لیے سبسکرائبنگ کنکشن کی تعداد ملک کی آبادی سے زائد ہے۔ جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس نصف صدی کے سفر میں ملک میں ٹیلی ویژن کے شعبہ کو کس قدر ترقی ملی اور کس قدر ملک کے عوام اس کی نشریات دیکھتے ہیں۔

سائنس وٹکنالوجی نے جیسے جیسے ترقی کی ویسے ویسے ٹیلی ویژن کی نشریات اور اس کے تکنیکی انداز پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوئے۔ ابتدائی دور وہ تھا جب ملک بھر میں لوگ صرف سرکاری نشریات دوردرشن اور پھر اس کی علاقائی خدمات پر ہی انحصار کرتے تھے۔ ابتدائی دور میں خبریں تعلیم، زرعی شعبہ کے علاوہ دیگر معلوماتی وفلاحی اور دلچسپی پر مشتمل پروگرامس دوردرشن پر پیش کیے جاتے تھے اور یہی عوام کے لیے بہت کچھ تفریحی ومعلوماتی مواد ہوا کرتا۔ لیکن زمانہ کی ترقی کے ساتھ اسٹار ٹی وی کا دور بھی آیا۔ اس دور میں ملک کے بڑے شہروں میں کیبل کے ذریعہ مختلف پروگرامس، فلمیں، نغمے پیش کیے جانے لگے۔ اسی کیبل سرویس کے ذریعہ ملک کے خانگی ٹیلی ویژن چینلوں نے اپنی نشریات کا آغاز کیا۔ کیبل خدمات ہر شہر اور ٹاؤن میں مقبول عام ہوگئیں۔ ملک بھر میں کیبل خدمات کا جال بچھادیا گیا۔ اسی دور میں کیبل آپریٹرس نے کیبل ٹی وی کا بھی آغاز کیا۔ کیبل ٹی وی پر اسٹوڈیو میں پروگرامس اور باضابطہ خبریں نشر کی جانے لگیں۔ دراصل 1990ء میں عراق کا کویت پر قبضہ اور اس دوران خلیجی جنگ کے موقع پر سی این این، بمباری اور دیگر حالات پر کویت سے راست خبریں نشر کررہا تھا۔ اسی دوران ہندوستان میں کیبل آپریٹرس نے اپنی نصب کردہ ڈشوں کے ذریعہ ان نشریات کا آغاز کردیا۔ یہیں سے ہندوستان میں کیبل ٹی وی نے بھی اپنا ایک مقام بنایا اور لوگوں میں مقبول عام ہوگیا۔ کیبل ٹی وی جس کے ذریعہ اسٹار کے چینلوں پر مختلف پروگرامس اور خبریں نشر ہوتیں۔ اب کیبل ٹی وی نے مقامی اور علاقائی خبریں شروع کردیں۔ مقامی زبانوں اور مقامی مسائل کو کیبل ٹی وی پر پیش کیا جانے لگا۔ قومی اور عالمی چینلوں کی نشریات سے ہٹ کر اب کیبل ٹی وی علاقائی نشریات کی بنیادوں پر لوگوں کے لیے زیادہ دلچسپی کا باعث بن گئے۔ کیبل ٹی وی پر خبریں، صحت، تعلیم، مقامی مسائل، مذہبی پروگرامس کے علاوہ علاقہ میں ہونے والے عوامی جلسے جلوسوں اور پروگرامس کی نشریات بھی ان چینلوں پر نشر کی جانے لگیں۔ عالمی اور قومی سطح کے ٹی وی چینلوں اور کیبل ٹی وی چینل میں معیار کے اعتبار سے زمین اور آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ دراصل نامناسب اسٹوڈیو، ناکافی لائٹنگ، غیر معیاری کیمرے، ناقص آڈیو ویژول کوالٹی، قلیل تعداد پر مشتمل عملہ جن میں زائد ناتجربہ کار اور غیر پیشہ وارانہ اسٹاف ہوتا ہے اور انتہائی کم وسائل کے ساتھ ٹیلی ویژن چینلوں نے اپنے سفر کو آگے بڑھایا۔ لیکن اس کے باوجود کیبل ٹی وی کی نشریات علاقائی سطح پر مستحکم ہونے لگیں۔ ایک وہ وقت بھی آگیا جب کیبل ٹی وی چینلوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر شہر ہر قصبے اور ٹاؤن میں مقامی کیبل ٹی وی چینل شروع ہو گئے۔

کیبل ٹی وی چینل ہندوستان کی مختلف زبانوں میں مختلف علاقوں میں جب مقبول عام ہونے لگے تو پھر مقامی تاجرین، تعلیمی اداروں کے علاوہ دیگر شعبہ جات سے ان چھوٹے ٹی وی چینلوں کو ٹیلی ویژن اشتہارات بھی ملنے لگے۔ وہ ادارے جو کسی بڑے سیٹلائٹ ٹی وی پر اپنا اشتہار نہیں دے سکتے یا پھر جن کو اس کی ضرورت نہیں ایسے اداروں نے کیبل ٹی وی کو اپنی تجارت کے فروغ اور اس کی تشہیر کا ذریعہ بنایا۔ اشتہارات ملنے کے ساتھ ہی کیبل ٹی وی چینلوں کو ایک معاشی استحکام فراہم ہوا۔ آہستہ آہستہ ان چینلوں نے بھی اپنے اخراجات کی تکمیل اور بہتر منافع کے پیش نظر کچھ حد تک نشریات کے معیار کو بہتر بنانے کی بھی کوشش کی لیکن ایک وقت گزر جانے کے باوجود کیبل ٹی وی کے اسٹانڈرڈ اور ایک سیٹلائٹ ٹی وی کے اسٹانڈرڈ میں آج بھی وہی فرق قائم ہے جو ماضی میں ہوا کرتا تھا۔ دور حاضر میں ڈش ٹی وی نشریات عام ہورہی ہیں۔ لوگ خود اپنی چھوٹی چھوٹی ڈش لگارہے ہیں اور قومی وبین الاقوامی سینکڑوں چینلوں کا راست مشاہدہ کررہے ہیں۔ اپنے من پسند چینل ڈش کے ذریعہ دیکھ رہے ہیں۔ بہترین پروگرامس، ٹاک شوز، تفریحی پروگرامس، ریاستی، قومی اور بین الاقوامی خبریں ہر لمحہ کسی نہ کسی چینل پر پیش کی جارہی ہیں۔ یہ وہ عوامل ثابت ہوئے جن سے کیبل ٹی وی کی اہمیت اور ان کے وجود کو خطرہ تصور کیا گیا لیکن جب زمینی سطح پر حالات کا جائزہ لیا گیا تو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ کیبل ٹی وی جنھوں نے اپنے علاقوں میں اپنا زبردست مقام بنایا ہے، ان کے پروگرامس اور خبریں لوگوں میں مقبول ہیں۔ انھیں آج سیلائٹ ٹی وی چینلوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ہر شہر اور ٹاؤن میں لوگ جہاں سیٹلائٹ نشریات دیکھتے ہیں وہیں انھیں کسی حال اپنا مقامی ٹی وی چینل بھی دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ سیٹلائٹ کے دور میں کیبل ٹی وی کی اہمیت کس قدر ہے اس سے متعلق جائزہ لینے کیلئے جنوبی ہند کے تاریخی شہر حیدرآباد کے شہریوں سے بات کی گئی تو اس کا کچھ حد تک اندازہ کیا جاسکا۔ حیدرآباد کے پرانے اور نئے شہر کے لوگوں سے بات کی گئی تو سبھی نے کیبل ٹی وی کو اہم قرار دیا اور اس کی نشریات سے اپنی دلچسپی کا بھی اظہار کیا۔ معمر شہریوں اور سیاست میں دلچسپی رکھنے والے افراد نے کہا کہ کیبل چینل شہر کی ہر چھوٹی بڑی خبریں دیتے ہیں۔ نوجوانوں نے کہا کہ مقامی تعلیمی سرگرمیوں اور فلمی نغموں کیلئے وہ کیبل ٹی وی ہی دیکھتے ہیں۔ پرانا شہر کے ایک شہری نے کہا کہ ان کے علاقوں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ کوئی بڑا چینل نہیں بتاتا بلکہ یہی کیبل چینل والے بتاتے ہیں۔ اردو کیبل ٹی وی دیکھنے والے ایک شہری نے کہا کہ دینی پروگرامس، وعظ، بیان اور بالخصوص مقامی علماء سے فون پر سوال جواب کے پروگرام وہ کیبل ٹی وی پر دیکھتے ہیں اور مقامی مسائل جس سے انہیں رہنمائی ملتی ہے۔ خواتین کا کہنا ہے کہ وہ صحت کے پروگرامس دیکھتی ہیں اور شہر کے بعض ماہر ڈاکٹرس سے مفید مشورے انھیں کیبل ٹی وی کے ذریعہ ہی حاصل ہوتے ہیں۔ بعض نوجوانوں نے کہا کہ کیبل ٹی وی کی نشریاتی کوالٹی تو بالکل ٹھیک نہیں ہوتی، تصویر، آواز، گرافکس اور کیمرے کا کوئی اسٹانڈرڈ یا کوالٹی نہیں ہوتی لیکن ہم کیبل ٹی وی محض اس لیے دیکھتے ہیں کہ وہ ہمیں ہمارے قریب جو ہورہا ہے وہ بتاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم ان کیبل ٹیلی ویژن پر خود کو کسی بھی جلسہ یا ایونٹ میں دیکھ لیتے ہیں۔ شہر حیدرآباد میں درجنوں کیبل ٹی وی چینل اپنی نشریات پیش کرتے ہیں جن میں اردو اور تلگو دونوں شامل ہیں لیکن حیدرآباد میں اردو کا چلن ہے اور یہاں اردو کیبل ٹی وی زیادہ دیکھے جاتے ہیں۔ ان میں 4tv، روبی ٹی وی، اردو ٹی وی، ایم کیو ٹی وی، میٹرو ٹی وی کے علاوہ درجنوں کیبل ٹی وی موجود ہیں۔ ان تمام کیبل ٹی وی چینلوں میں اگر کوئی کیبل ٹی وی عوام میں مقبول عام ہے تو وہ ہے 4tv جسے شہر اور قریبی اضلاع کے عوام بے حد پسند کرتے ہیں۔ 4tv کی زبردست ٹی آر پی ہے۔ 4tv ایک ڈیجیٹلائز کیبل چینل ہے۔ اس چینل کا خبرنامہ جو شام کے وقت نشر کیا جاتا ہے اور عالمی خبرنامہ جو ''دنیا بھر سے'' رات میں پیش کیا جاتا ہے لوگوں میں کافی مقبول ہے۔ اس کے علاوہ 4tv کے پروگرامس میں ''ہمارے اخبار'' اور صحت کا پروگرام کے علاوہ دینی پروگرام جن میں ''نور ہدایت'' اور ''ہمارا معاشرہ'' عوام میں انتہائی مقبول ہیں۔ 4tv ریاست کی سیاست اور سماجی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھنے والا چینل مانا جاتا ہے۔ 4tv ہے تو ایک کیبل چینل لیکن اگر حیدرآباد کی ثقافت، سیاست اور یہاں کے حالات کو جاننا ہے تو اس ٹی وی کی نشریات دیکھتے ہوئے معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شہر کے تمام تجارتی ادارے اپنی تشہیر کے لیے 4tv کو ترجیح دیتے ہیں۔

آخر کب تک؟

محمد حسنین (ایم اے، ایم سی جے۔ سال اول)

ہندوستان دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک ہے۔ اس کی آبادی چین کے بعد دنیا کی دوسری سب سے بڑی آبادی ہے۔ جہاں مختلف تہذیب وثقافت اور مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگ رہتے ہیں لیکن ہندوستان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس کی شناخت ''کثرت میں وحدت'' کو ختم کرکے اپنے مفادات کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اس پر غور وفکر کرنا ہوگا۔ ان کے ناپاک منصوبوں پر پانی پھیرنا ہوگا اور منھ توڑ جواب دینے کی کوشش کرنی ہوگی۔ آخر کب تک لوگوں کی جمہوری طاقت کو نشانہ بنایا جاتا رہے گا؟ آخر کب تک امیر کو غریب سے زیادہ ترجیح دی جاتی رہے گی؟ آخر کب تک لوگوں کو جھوٹے خوابوں کی کشتی میں بٹھا کر دریا پار کرایا جاتا رہے گا؟ آخر کب تک لیڈران اپنے سیاسی مفادات کے لئے لوگوں کے جذبات کو اپنے کھیل کا حصہ بناتے رہیں گے؟ آخر کب تک ایک غریب اپنے بچوں کو سرکاری اسکول اور امیر اپنے بچے کو بیرونی ملک میں تعلیم دیتے رہیں گے؟ آخر کب تک لیڈران عوام کی ضرورتوں کو انتخابات سے قبل انتخابی منشوروں کی زینت بنا کر اور انتخابات کے بعد اسے کوڑے دان میں ڈالتے رہیں گے؟ آخر کب تک اس ملک کی تقسیم کی بات کی جاتی رہے گی؟ آخر کب تک ہندو کو مسلم اور مسلم کو ہندو کے نام پر لڑایا جاتا رہے گا؟ آخر کب تک مندر میں گائے اور مسجد میں خنزیر کے نام پر لوگوں میں جنگ کرائی جاتی رہے گی؟ آخر کب تک بے قصوروں کو جیل میں اور قصوروار کو جیل کے باہر رکھا جاتا رہے گا؟ آخر کب تک ترقی کے نام پر غربت کو بڑھاوا دیا جاتا رہے گا؟ آخر کب تک ثقافت کے نام پر غریبوں کو کچلا جاتا رہے گا؟ آخر کب تک ملک کا نقشہ بدلنے کی بات کی جاتی رہے گی؟ آخر کب تک عام آدمی کو انصاف کے لئے دربدر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں گی؟ آخر کب تک جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بنا کر پیش کیا جاتا رہے گا؟ آخر کب تک غریبوں کو خوابوں کی دنیا میں گھمایا جاتا رہے گا؟ آخر کب تک ذات پات اور مذہب کے نام پر ووٹ مانگے جاتے رہیں گے؟ آخر کب تک سفید رنگ پر سیاہ رنگ چڑھایا جاتا رہے گا؟ آخر کب تک؟ آخر کب تک؟

اظہار (لیب جرنل)

ایڈیٹر : ڈاکٹر محمد فریاد
مینجنگ ایڈیٹر : پروفیسر احتشام احمد خان
نیوز ایڈیٹر : معراج احمد مبارکی

اسٹوڈنٹ ایڈیٹرس:

- عرفان خان۔ حرا آفتاب۔ محمد لطیف۔ محمد رضا اللہ۔ ظہور احمد صوفی۔ عبداللہ۔
- شرف الدین ای سی۔ حامد علی ڈار۔ سید باقر۔ سید عبدالقادر۔ محمود حسین۔
- عامر احسان۔ اویس احمد عثمانی۔ خوش نواز راشد۔ ماریہ حسن۔ محمد حسنین۔
- محمد سلمان۔ محمد صلاح الدین علی احمد۔ محمد منیر۔ نشاط کلیم

پروفیسر احتشام احمد خان، ڈین اور صدر شعبہ ترسیل عامہ وصحافت، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کی نگرانی میں سال 2014-15 کے طلبا نے ''اظہار'' کیلئے آئی ایم سی بلڈنگ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد سے شائع کیا۔ فون: 040-23008354/23008310

A TRIBUTE...... VINOD MEHTA

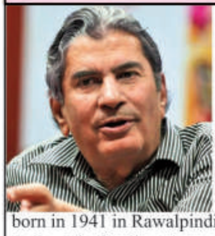

What Vinod Mehta had , in two words "editorial chemistary". As an editor vinod Mehta nrver pulled rank,giving correspondents a free hand if he felt they had a vald story to tell.Vinod Mehta was born in 1941 in Rawalpindi in west panjab of British India. His family migrated to india when he was three. He grewup as an army boy from a Punjabi refugee family in the synceretic culture of lucknow of 1950 s.An experience that turned him into an unflagging 'secularist' leaving home with B.A. second class degree he experimented with string of jobs, including that of a factory hand in suburban Britan before accepting an offer to edit Deboniar in 1974 a men's magazine known then more of its steamy semi-nude center spreads than its literary content. But Vinod introduced through provoking articles to give the magazine a new character. From Debonair he went on to launch a new Sunday tabloid "the Sunday Observer" whose chatty informal style and the political gossip column became a staple along with human intrest pices on the high and the mighty.

Vinod launched several publicationsincluding a revamped Indian Post, the Business and political Observer, the Indioendent & The Poinner(Delhi Edition) his formula for his publication attracted readers. And his final major publication was outlook as Editor in Chife 1995 to 2012.

Vinod has authored a biography of Meena Kumari and Sunjay Gandhi and publish collection of his articles under the title "Mr. Editor, How Close Are You to the PM?"His much acclaimed memori Lucknow Boy (2012) and book sequel "Editor Unplugged" in 2014. *(Sharfuddin IVSemester)*

MANUU organise Run for Education

Hyderabad- Maulana Azad National Urdu University which is the first National Urdu university in the country after Independence. The University has organised "Run for education and Urdu" on a grand scale on 9th Novemver 2014.

Run for education also called 3k Run because the running distance was 3 kilometres.The run started from Biodiversity park,Gachibowli to open Air Auditorium of maulana azad national urdu university.

Run was flagged by former Indian Cricketer V.V.S Laxman and Hyderabad body builder champion Mohtesham Ali.Approximately 550 students from different universities such as Hyderabad central university , Osmania and English and Foreign language university. Teaching and Non-teaching staff also participated including Vice Chancellor and Pro Vice Chancellor. University's doctors team was supervising health checkup before running.After completing run energetic juice provided to every runner.This run was sponsored by four different companies Tousch Technology, Continental Hospital, Indian oversias bank and SLdiagnostic.

The Vice chancellor Prof. Mohammad. Miyan and Pro Vice Chancellor Prof. Khawaza .Shahid awarded the 1st 2nd and 3rd runner also too consolation prizes. Certificates were also distributed in students.University Public relation officer Abdul Wassey was convenor of the programme. Professor Amina kishore, chair person of maulana azad chair, co-ordinator of run for education and urdu welcomed the gathering .

The Vice chancellor Prof. Mohammad. Miyan said that students must participated in these type of healthy activities which will enthusias him in academic also. Pro Vice Chancellor Prof. Khawaza M .Shahid expected that thes activites are needfull for students as well as university, so will organize in future also.Registrar SM Rehmatullha did vote of thanks and programme got end. *(Md. Salman II Semester)*

do you know.....

Hira aftab (4th Semester)
Nishath Kalim (2nd Semester)

First English Newspaper in India:
"Hickey's Bengal Gazette was an English newspaper published from Kolkata (India). It was the first major newspaper in India started in 1780 founded by James Augustus Hickey.

First Urdu Newspaper in India:
The first newspaper of urdu language was "Jam-e-Jahan Numa" founded by Harihar Dutta in 1822 in Kolkata.

First Hindi Newspaper in India:
First hindi language newspaper published in India "Udant Martand" (the rising sun) started on 30th May 1826.

First Telugu Newspaper in India:
The first telugu newspaper Andhra Patrika started as a periodical in Bombay in 1908 founded by PK Nageswara Rao.

First Marathi Newspaper in India:
Darpan is the first marathi newspaper published on 6th Jan 1832.

First Bengali Newspaper in India:
The first published newspaper in Bengali was Samachar Darpan and Bengal Gazette 23rd May 1818 by William Carey.

First Gujrati Newspaper in India:
Bombay Samachar was the first gujrati newspaper published on 1st July 1822.

First Persian Newspaper in India:
First persian newspaper 'Mirat-ul-Akhbar.

First Malayalam Newspaper:
Rajyasam charam was the first newspaper in Malayalam. It is started for religious propegation by Harmemn Gundert under the christian mission arises of basel mission in June 1847 from Llikkunnu in Thalassery.

First Assamese Newspaper:
The Assam Tribune is an English daily newspaper published from Guwuhati and Dibrugarh, Assam first published on 4th August 1939.

EMPOWER A WOMAN TODAY AND GET A BETTER SOCIETY TOMORROW.......

Khushnawaz Rashid
(M.A. MCJ 2nd Semester)

Women empowerment!!! Do u know what it is basically and what empowers women in this era, in this society, which is covered with various social norms. In simplest words women empowerment is basically the creation of an environment where women can make independent decisions on their personal development as well as shine as equals in society. This only can happen if there is channelized route for the empowerment of women. Education is the main tool by which women can be empowered. Women are the building blocks of society. Crimes against women are against society. We should fight against the evils prevalent in society, against women. I am astonished , why? why women are always treated as 2nd grade citizen. I seriously don't understand in what kind of modern age are we staying in . A modern age where women are asked to follow old traditions or a modern age where women still feel scared to step out of their homes , where there are laws but no followers , where there are crimes but no actions ,where corruption is a new trend, where women are not given the equal rights still. Everyday we hear, in newspapers, in T.V channels about women being harassed, even a 5yr old girl is not safe. How can one say that the youth are the future of tomorrow's India when even the girls are not protected by them. We need to ensure that violence against women does not occur . we need to stop it. Peace in our country has become something that we can't have. The youth should respect women and stop the rise of crimes against women. The crimes on the women are on the rise. The Delhi gang rape (Nirbhaiya's case) is an example of extreme state the crime against women has reached in India.

Most of the times culprits allege girls for provoking to rape them and even some male chauvinists blame their dressing to rape them then what about the two or three year old girl child where there is no dressing sense but still raped by these rapists. "These wolves in the sheep's clothing" tries to defend themselves by such statements. Everyday you woud have gone through incidents and accidents with women in India whether it is a small village like Badayun or a metro city Delhi . Even in this modern india, the women has always been a 2nd grade citizen, it is hard to fathom how slow moving the cultural exchange of the world is when you find out that there are several places across the country where harmful customs of the ancient world coexist with modern appliances and thought. The dichotomy of society is something that can only be explained by a refrain from an Bollywood song "it happens only in India" yes, certainly it is only in India that glaring and brutal gang rapes occur frequently in India. Gender discrimination is the least of worries for women in India known as the fourth most dangerous country in the world for women. Other instances of violence against women has an astonishing and grim variety to it-with acid throwing , domestic violence, stemming out of dowry, rape, harassment etc. It is important to change the mentality of people first. I have seen the daughter studying from Urdu medium and son in best English medium. Why? Why a daughter doesn't need to study in best school. India is changing by modernization in everything but not changed the mentality of people. Shame on the Illiterate third world country men who even doesn't know their basic human rights to live with freedom. In this patriarchal society it is very difficult to change the mentality of the people, who has became a slave of this. I know many people who are so called educated and used to call themselves broad minded, when it comes to tackle women in their own family (wife, daughter, sister, mother)they are a different personality. They even can't take their food themselves, this will let their image down as a men, it is the duty of ladies in home to serve the food. It is just one example, there are lot of such daily activities. Shouldn't we start from our home to change this mentality first and treat women equally. Women and men are equal before God and the constitution of our country. We need to spread awareness of the laws that are to protect women. Women have to stand up for their rights.

The Hindi movies and daily soups that we see today portrays women in a bad light and conveys wrong message about the prevailing wrong mindset of people. We should not sit back and relax over this. We need to raise voices because portrayal of women in cinema contribute a lot to the rise of crime against women.sss For the women empowerment , the first step to be taken by or govt. is to provide mandatory education to the girls and laws should be taught to them, so that in case of any kind of violence whether it is domestic violence or the public they should be prepared and will be able to raise their voices. Self defensive courses should be introduced in the curriculum and it should be made mandatory for the girls, so that in any case of any emergency they bear the skills to defend themselves against the menace of the society. Gender equality is a component as well as an instrument of development. In spite of considerable efforts towards advocacy and awareness of gender equality and launching of various programmes for welfare of women, gender discrimination in India remains pervasive in many dimensions of life. Empowering women is a pre-requisite for creating a good nation, when women are empowered , society with stability is assured.

RAMCHAND PAKISTANI

Direcor:Mehreen Jabbar
Writer: Javed Jabbar and Mohammad Ahmed
Director of photography: Sofian Khan
Edited by Aseem Sinha and Ms. Jabbar
Music: Debajyoti Mishra
Production Designer: Aqueel-ur-Rehman.

Awais Ahmed Usmani (M.A. MCJ, 2nd Semester

This is a simple story, a true story in fact, of a kid and his father crossing the LOC and being held captive in an Indian prison. A theme like this ought to be handled with gloves and Mehreen Jabbar does just that. A sensitively told story that succeeds in making you think of the plight of scores of people who've accidently crossed the border and are, perhaps, still languishing in various jails.

When the soldiers discover that the boy, Ramchand (Syed Fazal Hussain), is carrying a slingshot, he is accused of bringing weapons to liberate Kashmir. He and his parents — his mother, Champa (Nandita Das), and father, Shankar (Rashid Farooqui) — belong to the "untouchable" Dalit caste. When Shankar searches for Ramchand, he too crosses the border, marked only by an arc of widely separated white stones, and is immediately snatched by the same soldiers. The father and son are carted off to a prison, where they are kept for five years.

The movie crosscuts between scenes of the father and son in prison and of Champa struggling to survive alone without word of her family. During much of their stay in India, Ramchand and Shankar are unregistered prisoners, so they might as well be dead. Champa eventually gives up hope of a reunion, and late in the movie she carries on a discreet flirtation with a man of a higher status that brings its own kind of trouble.

At the prison, Ramchand becomes the servant of a female police officer of a higher caste who, to the boy's chagrin, treats him disdainfully. But over the years a bond develops between them, and she eventually bestows a peck on his cheek. Suddenly, the story leaps ahead four years, and the pubescent Ramchand is played by a different actor (Navaid Jabbar). The loose-jointed screenplay by Javed Jabbar and Mohammad Ahmed doesn't build up conventional dramatic tension and makes eccentric narrative leaps that undercut its continuity. Ms. Jabbar's female perspective is palpable throughout the film, especially in the scenes in which Champa stands up to her exploitative bosses on the farm where she harvests wheat and sugar cane and demands money that is due her. The prison environment, in spite of its hardships, is remarkably harmonious. Fights break out but are settled, and the punishments meted out are mild.

The co-existence of Muslims and Hindus in the same prison is for the most part peaceful, and the Hindu caste system is relaxed. As the production notes state, Ramchand and his parents live at "the bottom of a discriminatory religious ladder and an insensitive social system, which is nevertheless tolerant, inclusive and pluralistic." For all the trials its characters endure, you might almost describe "Ramchand Pakistani" as a happy movie: too happy to be entirely believed.

Bi-Lingual Izhaar ذولسانی

Vol:4 Edition:4 Jan-Jun 2015 Pages:8 Dept. of M ass Comm. & Journalism, MANUU

شعبہ ترسیل عامہ وصحافت، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد صفحات: 8 جنوری ۔ جون 2015 شمارہ:4 جلد:4

MEDIA: AN ULTIMATE WEAPON

says Saeed Naqvi - An Interaction with MCJ Students

Khushnawaz Rashid
(MA, MCJ 2nd Semester)

HYDERABAD: Saeed Naqvi, a noted and eminent Indian journalist on Monday had come to Maulana Azad National Urdu University in co-ordination with Maulana Azad day Celebrations. During the interaction with MCJ students Mr. Naqvi put forward his own perspectives regarding journalism. He opined that we should do our job with enthusiasm and passion. He added that we should do unbiased and ethical reporting . In a statement Mr Naqvi said that he himself wholly n solely believes on ethical journalism and he shared one particular incident which happened when he went to Russia to interview the president there. Mr. Naqvi was asked for structured interview by officials and was being instructed to interview the president accordingly, but interestingly the moment camera rolls on Mr. Naqvi's first question to president was that whether he had to interview according to their format or he is free for open-ended interview. According to him journalism is helping people better understand our community and our world. Moreover, he added that along with this profession we can serve our society better. He said that journalism is the act of providing impartial and accurate information to empower a community to make better decisions. He exhorted the students of Maulana Azad National Urdu University to aim for excellence in order to became indispensible for the system irrespective of who is in power. He made his point while delivering an extension lecture on the topic "Maulana Abul Kalam Azad-a great visionary ", which was organized by the university as a part of its celebrations of the occasions of Maulana Azad's birth anniversary which falls on Nov 11. According to Naqvi's statement he had gone to Bhagdad to cover Doordarshan news. During the interaction with MCJ students he emphasizes on hard work and honesty which according to him is the key of success in journalism. Dr. Ehtisham Ahmad khan, HOD of Mass communication and Journalism presented an intro of Mr Naqvi to the students. Whereas Dr. Fariyaad Ahmad, Associate professor and Mr. Mehraj Ahmad Mubarki Assitant Professor of Mass Communication and Journalism also joined the interaction. At last there was a question answer session and many students posed questions nexus to journalism and its scope and were being answered in a satisfying manner by Mr Naqvi. He further urged the students to read history as it has great relevance in the current political dynamics of the country. He, however reminded them this is not a time get emotional but to read and analyze the past dispassionately , and learn from the mistakes which our forfather's have committed. Mr Naqvi advised the students to especially read Maulana Azad as "his prophecies about the political future of the subcontinent are coming true one after the other. While elaborating on Maulana Azad's role in the freedom struggle and his unwavering stand on Hindu-Muslim unity, Mr Naqvi said Maulana was one of the two congress leaders among khan Abdul Ghaffar khan also known as frontier Gandhi, who opposed the partition of the country till the last even when their colleagues in the party agreed to the same.

"Radio Charminar" Conducts Exclusive Placement Drive

Izhaar Bureau

HYDERABAD: A High level 4 member team from Radio Charminar conducted campus placement exercise on 28th February 2015 exclusively for the students of MCJ at the confrence hall of the department of mass communication and journalism MANUU Hyderabad.The drive was aimed to recruit RJ`s for the upcoming radio station "Radio Charminar " in the old city area of Hyderabad.Around 25 students from the department participated in the campus placement drive.This was the first placement drive conducted by any Radio station at the campus of the University.The drive was innaugrated by the Prof Ehtesham Ahmad Khan(Dean &HOD MCJ) by giving warm welcome to the representatives of Radio Charminar.He said that" I am humbled by the confidence that the Radio Charminar have showed on us by choosing students of our department to augment their pool".The team was extremely impressed with the infrastructure available at the department.It may be mentioned that the department has a commendable placement record and last year it has achieved 60% pacement.The students later thanked to the Radio charminar team for the placement drive and hailed the efforts made by Prof Ehtesham Ahmad Khan for organising such purposeful events.

N. RAM

Narsimhan Ram is a veteran journalist of India born on 4 May 1945 in Chennai son of G.Narshiman former Managing Director of The Hindu. He started his Journalist career as associated editor in The Hindu. Now he is Chairman, Kasturi & Sons Ltd. and former Editor-in-Chief and Publisher of The Hindu, Frontline, Business Line, and Sportstar of The Hindu group of publications.

N. Ram did his schooling at the Madras Christian College, Chennai, took his B.A. in History from Chennai and M.A. in History and M.S. in Comparative Journalism with Honors from the Graduate School of Journalism Columbia University. He also played Ranji Trophy from Tamil Nadu. He was so active in student politics and was Vice President of Student Federation of India.

(Md. Hasnain II Semester)

H.K. SHERWANI CENTER FOR DECCAN STUDIES

Md. Lateef
(MA, MCJ IVSemester)

The right opportunity came to intensively examine the Deccan, a relatively under studied region, when the Maulana Azad National Urdu University was allotted the centre for Deccan studies at the end of 11th plan at its university Headquarter, Through an official communication received from the university grant commission on 30th March 2012.

The core of establishing such unique centre, one of its kind in the country came from the vision and bold initiative of prof Mohammad Miyan, the Hon'ble vice chancellor of MANUU who recognized the importance and necessity of establishing such a centre at Hyderabad. Once MANUU was allotted the prestigious centre, it was only befitting to name it after the renowned Indian Historian scholar and author

Haroon Khan Sherwani, whose contribution to the study of contribution to the study of different dimensions of the deccan. Immensely noteworthy lending his name has not only given a distinct character to the centre but it also paying homage to great academics untiring and unsurpassed work on the Deccan.

Before the formal opening of the centre on 11th sep 2012, an intense session of deliberations was held with persons of eminence who came from different sections of research. Teaching expertise and scholarship on the Deccan to discuss the prepared aims and objectives of centre, From that debate emerged the future plans of the centre thereafter an advisory committee was constituted which discussed at length these objective matters.

Vision and Mission:

The centres vision & mission niche areas of research and inter disciplinary focus have been specifically framed keeping in mind the fact that many of these areas have not yet found a place for study/research in a traditionally constructed frame work. This paradigm shift and same less straying into zones unrestricted evolve newer dimensions and findings that will bring the study of the region on par with the best in the academic world.

The objectives of the centre arise from the vast scope that comes under the preview of the H. K. Sherwani Centre for Deccan Studies. The centre assumes special significance as aims to develop as a robust research unit which would facilitate scholars undertaking research primarily on the southern states of Telangana, Andhra Pradesh, Maharashtra and Karnataka. The centre will carry out studies on various aspects of the Deccan archaeological, historical, geographical, geological, cartographic, administrative, socio-economic, religious, cultural and literary by broadly focussing attention on the region through ascents of varying nature by doing so, the centre will foster greater professionalism and scientific temper among academicians, archivists, policy market and educated laymen interested in the history and cultural heritage of the region by adopting a multi focussed interdisciplinary approach essential in the present day placing them contemporary context.

MANUU Health Insurance is a boon for students

It is old maxim that "Health is Wealth". A healthy person can work with efficiency to earn wealth. The persons who don't having a good health spends lots of money on medicines and their treatment. They are never cheerful. In MANUU there are so many students studying here from different areas and they have different family background, some students belong to farmer background and some from average family. So student should not worry about health because of MANUU started the health insurance policy from previous year, its compulsory to every student buy a insurance policy. Every student have to pay 850 rupees for one year health insurance policy. Insurance company provides 1 Lakh rupees as health coverage in case of hospitalised treatment. Not only this university provides ambulance facility in emergency. For reasons ambulance is not available, students can call cab, university will pay the fare of cab. So students need not worried about health expanses. Because in MANUU every student have health insurance, every student beneficial to health insurance policy.

(Md. Razaullah IV Semester)